تقلیل السؤال و کثرۃ النوال
و من خشیۃ ربھم مشفقون
عطا کی تمنا نہ خوف سزا
کہانت کو مانیں نہ یستثنون
پیمبر کے نقش قدم پہ چلیں
بدن پُر سرور اور دل پُر سکون
کریں اسوۂ حسنہ کا اتباع
نجوم السماء فھم یرقبون
ہے فطرت سلیم ان کی رہ مستقیم
دعوا فھم انذروا معرضون
کریں ذہن و دل کے اُفق کو وسیع
بما ارسل ھم بہ مومنون
خدا کو گو آنکھوں سے دیکھا نہیں
نکو ہیں با آیاتہ یؤمنون

اور یہی وہ ہدایت یافتہ لوگ ہیں جو حد سے تجاوز نہیں کرتے اور یہ خیر و برکت، سعادت و رحمت کے مستحق ہیں ؎

کبھی اپنی حد سے وہ بڑھتے نہیں
خدا ہیں و بنھیہ یرعون

ہدایت یافتہ لوگوں کی نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ وہ خدا بیں ہوتے ہیں۔ عہد کی پابندی کرتے ہیں۔ امانت میں خیانت نہیں کرتے۔ اپنی آمدنی میں سے حاجتمندوں کو دیتے ہیں نکمی باتوں کی جانب توجہ نہیں کرتے۔ اور سعی و طلب میں زندگی بسر کر دیتے ہیں۔ خالد کہتا ہے ؎

ہمہ سعی و صبر و سماح و یقین
فذلک الرکاب فھم یطلبون
رحیم و کریم و حمیم و حلیم
سخی ہیں لذی الحاجۃ یوثرون
امانت نہ خائن کو سونپیں کبھی
و باللہ شیئا ولا یشرکون

خالد آزادیٔ فکر و نظر کا شیدائی ہے۔ وہ خرد دشمنی کے بجائے تعقل و تفکر کی دعوت دیتا ہے۔ عقل و بصیرت کی روشنی میں کتابِ ہدایت اور راہِ مستقیم کی معرفت حاصل کرنے پر زور دیتا ہے۔ وہ تقلیدِ محض کو ایک بُرائی تصور کرتا ہے اور بغیر سوچے سمجھے کسی بات کو رد یا قبول کرنے کو حکمت و معرفتِ قرآن کے منافی سمجھتا ہے۔ خوب سوچ لو، اچھی طرح سے پرکھ لو، تدبّر و تفکر کے بعد مانو، تاکہ تمھاری سیرت میں استقامت اور تصورات میں ثبات ہو۔ یقین و ایمان کا نور ہو۔

کامل القادری

دینِ حق ۔ کلامِ خالد کے آئینے میں

اسلام ایک ایسا ضابطۂ حیات ہے جو زندگی کے ہر شعبے میں رہنمائی کرتا ہے، یہ نہ صرف مجموعۂ اخلاقیات ہے بلکہ مہد سے لحد تک اور معاش سے معاد تک راہِ عمل کھولتا ہے۔ اس کی تعلیمات ایسی ہیں جن پر نوعِ انسانی عمل پیرا ہو کر اس دنیا کو رشکِ فردوس بنا سکتی ہے اور اپنے اعمال سے ابدی حیات پا سکتی ہے۔

اسلام کا رستہ صاف اور سیدھا ہے۔ اس میں کوئی الجھاؤ نہیں کوئی خم و پیچ نہیں۔ عبادات، معاملات اور صلہ رحمی کے ابواب کے تحت اسلام کی جملہ تعلیمات آتی ہیں اور ان سے اکثر کے بارے میں خالد کے شاعرانہ بیان کا جائزہ پیش کیا جا چکا ہے۔ یہاں اختصاراً حافظے کو تازہ کر لیا جائے۔

اسلام کی اساس توحید پر ہے یعنی نہیں ہے کوئی الٰہ ماسوا ایک اللہ کے جو اس کائنات اور کارخانۂ ہستی کا خالق ہے، وہی اور صرف وہی سجدے کا مستحق ہے، کوئی اس کا شریک نہیں۔ قرآن حکیم وحی اللہ ہے جو حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی اور محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم بشر ہیں اور ان کا شرف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں پیغمبر مبعوث کیا ہے، توحید، قرآن رسالت اور معاد پر ایمان و یقین کے بعد اسلام کی جملہ تعلیمات کی فکر واضح ہو جاتی ہے اس پر عمل پیرا ہونا دشوار نہیں کہ یہ دین عملی دین ہے۔ ایسا دین ہے جس کی حقانیت اور فوائد عقل و شعور کی گرفت سے باہر نہیں ہیں۔ ہر شخص جو ہدایت کا طالب ہے عقل و شعور کی مشعل ہاتھ میں لیے اس صراطِ مستقیم پر گامزن ہو سکتا اور منزلِ مراد پر پہنچ سکتا ہے۔

اسلام دینِ مبین ہے اور خالد نے اپنے شاعرانہ کمالات کے ذریعہ لوگوں کے دلوں میں اس کی حقانیت کو اتارنے کی سعی کی ہے۔ خالد فلسفی و کلامیہ نہیں، مفسر و محدث ہے۔ مبلغ و مصلح ہے۔ وہ قرآنی تعلیمات سے سرمو انحراف کرنا نہیں جانتا اور نہ اسلام کو مغربی علوم و فلسفیانہ تصورات کے شکنجے میں کسنے کی سعی لاحاصل کرتا ہے۔ وہ فہم و اذعان سے آیاتِ قرآنی کی شرح و تفسیر تو کرتا ہے لیکن تاویلات سے صاف پہلو بچا لیتا ہے۔ وہ کہتا ہے ؎

تمھارا جو دیں ہے، وہ ہے دینِ علم
وَلٰكِنَّكُمْ اَنْتُمُ الْجَاهِلُوْنَ

یعنی تمھارا دین تقلیدی نہیں ہے۔ وہ تعقل پرستی کا دین ہے۔ علم و خبر کا دین ہے۔ بصارت و بصیرت اور تفکر و تدبر کا دین ہے۔ لیکن افسوس کہ اس حقیقت سے لوگ آشنا ہو کر آشنا نہیں ہوتے۔ وہ اپنی جہالت و شقاوت کی وجہ سے اس دینِ علم کی حقیقی اساس سے باخبر نہیں ہوتے۔ اس شعر میں خالد نے اس اصلِ عظیم کی طرف اشارہ کیا ہے کہ دعوتِ وحی سرتاسر علم و یقین کی دعوت ہے۔

تمہارا جو دین ہے سہولت کا دین
وَلٰکِنَّکُمْ اَنْتُمُ الْمُعْسِرُوْن

یعنی تمہارا دین سختی نہیں چاہتا، سہولت بہم پہنچاتا ہے[1] قابل عمل ہے قرآن حکیم میں آیا ہے۔

یُرِیْدُ اللّٰہُ بِکُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیْدُ بِکُمُ الْعُسْرَ (البقرہ: ۱۸۵)

مولانا ابوالکلام آزاد اس آیت کریمہ کے وضاحتی نوٹ میں فرماتے ہیں:۔

"دین حق ہمیشہ اصل آسانی ہے، نہ کہ سختی۔ بس یہ سمجھنا چاہیے کہ اس طرح کی عبادتوں میں بھی جو سختی اختیار کرنا خدا کی خوشنودی کا موجب ہوگا صحیح نہیں ہو سکتا۔"[2]

خالد دینِ حق کے جمالیاتی پہلو کو بھی نظر انداز نہیں کرتا۔ وہ ذات بے ہمتا سراپا جمال ہے اور یُحِبُّ الجمال بھی۔ لہٰذا دینِ حق اصلاً دینِ حسن ہے اور حسن خارجی اور باطنی تعادل و توازن کے سوا کیا ہے! خدا کہتا ہے ؎

تمہارا جو دین ہے، وہ ہے دینِ حُسن
وَلٰکِنَّکُمْ اَنْتُمُ الْمُنْفِرُوْن

خالد کے عندیے میں دینِ حق رفاہی دین ہے۔ اس سے جو معاشرہ منضبط ہوتا ہے، اس میں معاشی مساوات موجود ہے۔ قرآن حکیم نے دولت کے ارتکاز کو بدترین اعمال میں شمار کیا ہے اور زکوٰۃ نکالنے اور اپنا مال بے جبر و اکراہ خدا کی خوشنودی کے لیے حاجت مندوں میں تقسیم کرنے کی تلقین کی ہے۔ قرآن میں آیا ہے:

"اور (دیکھو) نیکی یہ نہیں ہے کہ تم نے (عبادت کے وقت) اپنا منہ مشرق کی طرف اور مغرب کی طرف کر لیا، نیکی کی راہ تو اس کی راہ ہے جو اللہ پر، آخرت کے دن پر، ملائکہ پر، تمام کتابوں پر اور تمام نبیوں پر ایمان لاتا ہے، اپنا مال خدا کی محبت کی راہ میں رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں، اور سائلوں کو دیتا ہے اور غلاموں کے آزاد کرانے میں خرچ کرتا ہے۔ نماز قائم کرتا ہے۔ زکوٰۃ نکالتا ہے، قول و قرار کا پکا ہوتا ہے، تنگی اور مصیبت کی گھڑی ہو یا خوف و ہراس کا وقت، ہر حال میں ثابت قدم رہتا ہے (سو یاد رکھو) ایسے ہی لوگ ہیں جو (اپنی دینداری میں) سچے ہیں اور یہی ہیں جو برائیوں سے بچنے والے ہیں (۲: ۱۷۷)

ایک رفاہی دینی ریاست اور معاشرے میں زکوٰۃ کی افادیت واضح ہے اور اس پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔

---

[1] دیکھیے مولانا جعفر شاہ پھلواری کی تصنیف "الدین الیسر"
[2] ترجمان القرآن حصہ اول ص: ۲۰۵

لہٰذا یہاں تمام آموختہ کو دہرانا ضروری نہیں۔ خالد کہتا ہے ؎

تمہارا جو دین ہے ، ہے دینِ زکوٰۃ !
وَلٰکِنَّکُمْ اَنْتُمُ الْبَاخِلُوْن
اے اصحابِ حرفت ! اے اربابِ حرف !
ہے سچ اَلنَّصِیْحَ فَتَتَّہِمُوْن

خالد تمام تعلیمات کا خلاصہ یوں کرتا ہے ؎

جو منکرات و فواحش سے اجتناب کرے
کرے نہ ربِّ کریم اس سے احتساب کمر[1]

دینِ حق کی معرفت پیدا کرنا۔ اس کے منکرات و فواحش سے اجتناب کرنا اور اس کے اوامر پر عمل پیرا ہونا۔ خالد کی دعوت کا لبِّ لباب ہے یہی اس کا بحیثیت شاعر وظیفہ ہے اور یہی توشۂ آخرت بھی۔ اور ان ہی تعلیمات پر عمل پیرا ہو کر انسانیت سعادت و فلاح کی راہ مستقیم پر گامزن ہو سکتی ہے۔ اس کے ماسوا سب راہیں باطل ہیں، ہلاکت کی راہیں ہیں گمراہیں ہیں دینِ حق میں کوئی خطر نہیں، کوئی نقصان نہیں ؎

نہیں دینِ حق میں ضرار و ضرر
مگر اس پہ بھی مَرَقَ الْمَارِقُوْن

ہر چند دینِ حق میں ضرار و ضرر نہیں مگر اس پر بھی جنہیں باہر نکلنا ہے، وہ نکل جائیں گے۔ کیونکہ راہِ عمل کھلی ہوئی ہے۔ کسبِ اعمال ہر شخص حسبِ توفیق کرتا ہے۔ خالد کہتا ہے ؎

ہے دینِ مبین صدق و عدل و یقین
بہ طاعاتِ حق یَنْتَصِرُ الْمُسْلِمُوْن
مواثیقِ عہد و موازینِ عدل
ہیں سلم و سلام اَیُّہَا الْمُسْلِمُوْن

اور ایمان کیا ہے؟ خالد کہتا ہے ؎

ہے ایماں صلاح و نجاح و فلاح
علیکم سلام اَیُّہَا الْمُوْمِنُوْن !
ہے ایمان حسنِ خیال و عمل
فَمَنْ یُّوْمِنُوْنَ فَہُمْ یَتَّقُوْن

دینِ حق ماننے والوں کی سیرت کیسی ہوتی ہے؟ مسلمان کسے کہتے ہیں؟ اور اس کی مابہ الامتیاز خصوصیت کیا ہوتی ہیں؟ خالد کہتا ہے ؎

---

[1] ۔ صغیرہ گناہ

جو ایمان لائیں بہ آیاتِ حق
هُمُ الْمُسْلِمُونَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ

خالد مومن کی تعریف یوں کرتا ہے ؎

ہے مشہور اَلْمُؤْمِنُ مالفٌ
نہ پاؤ گے اس کو جَبُون وخَشُون
سچ اَلْمومنُ معنقاً صالحًا
کرے نہ بلے آرے چون وچگون

یعنی مومن سراپا الفت ہوتا ہے، وہ کبھی کسی حالت میں بھی خوش خلقی اور خندہ روئی سے مبرّا نہیں ہوتا۔ اور وہ نیک کاموں میں عجلت کرنے والا اور صالح ہوتا ہے۔ ہمیشہ ہلکا پھلکا نیک رہتا ہے۔

"مرمور میر منتی" کی پانچویں فصل ایک سو اکہتر اشعار پر مشتمل ہے اور اس میں دینِ حق کے ماننے والوں کے کردار کا شرف بیاں ہوا ہے۔ خالد کہتا ہے ؎

جو اہلِ خبر ہیں وہ اکثر ملیں
مُتَهَلِّلُونَ وَ مُغْتَبِطُون

اہلِ خیر یعنی مسلمان ہمیشہ تہلیل و تسبیح میں مصروف رہتے ہیں، قلبِ مطمئنہ رکھتے ہیں لہٰذا خوش وخرم رہتے ہیں ؎

خدا یاد آئے انھیں دیکھ کر
کہ آئینۂ حق ہیں اَلْقَبِیُّون

ہر چند روزے سے نقاہت زدہ ہیں لیکن آئینہ حق ہیں، انھیں دیکھ کر خدا کی یاد آتی ہے۔ اور خالد کہتا ہے ؎

عفیفِ زبان و نگاہ و قلم
سُرُجٌ لِقَوْمٍ بِهَا يَهْتَدُون

یہ لوگ زبان، نگاہ اور قلم کی عصمت و حرمت کا تحفظ کرتے ہیں اور قوم کے لیے یہ لوگ آفتابِ درخشاں کی حیثیت رکھتے ہیں۔ خالد کہتا ہے۔

جزا و تشکر سے قطعِ نظر
عَنِ الْمُنْكَرِ هُمْ يَتَنَزَّهُون

یہ لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ جزا اور انعام سے بے پروا، برائی سے احتراز کرتے ہیں اور ان کے اوصافِ حمیدہ یہ ہیں ؎

فطین و فصیح و ذہین و ذکی
وَمَا یَسْمَعُوْنَ یَتَدَبَّرُوْن

دینِ حق کو ماننے والے فطین، فصیح، ذہین اور ذکی ہوتے ہیں، وہ صاحب نظر ہوتے ہیں، صاحب خبر ہوتے ہیں۔ امر واقعہ تو یہ ہے کہ کوئی مسلمان ہو کر غبی تو ہو ہی نہیں سکتا، محض کلام اللہ کی تلاوت اس کے حلقۂ چشم کو نور و شعور سے معمور کر دیتی ہے لیکن افسوس کہ لوگ کلام خدا سمجھ کر نہیں پڑھتے۔ خالد کہتا ہے ؎

صف آرا رہیں آمروں کے خلاف
ہیں مخلص علی الضَّیْمِ لَا یَصْبِرُوْن

دینِ حق کے ماننے والے آمروں (بادشاہوں، ڈکٹیٹروں یا جابر سلطانوں) کے خلاف جہاد کرتے ہیں خالد جو بلاشبہ قلمی جہاد کر رہا ہے، اس نے جہاد کے موضوع پر قلم نہیں اٹھایا ہے، حالانکہ مہمات قرآن میں جہاد بھی ایک اہم مہم کی حیثیت رکھتی ہے۔ بہرکیف دین حق کے ماننے والوں میں جو اعلیٰ اوصاف پائے جاتے ہیں ان میں جہاد بھی شامل ہے۔ لہٰذا خالد کہتا ہے ؎

صف جنگ میں تند شیر اجسم
وَھُمْ فِی الْبُیُوْتِ یَتَفَکَّرُوْن
عَلَی النَّاسِ مِن اُمَّتِی ظَاہِرِیْن
رہیں حق پہ قائم وَھُمْ ظَاھِرُوْن
نہ ساز و سلب سے نہ تعداد سے
بِاِیْمَانِهِمْ اِنَّھُمْ یُنْصَرُوْن

یہ وہ لوگ ہیں جو صف جنگ میں بپھرے ہوئے شیر اجم نظر آتے ہیں اور اپنے گھروں میں نفل پڑھتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اعلانیہ اُمتی ہیں اور اعلانیہ حق پر قائم ہیں۔ گویا ان کا ظاہر و باطن یکساں ہے اور جو کچھ کرتے ہیں خدا کی خوشنودی کے لیے بے خوف وہراس اور نتائج سے بے پرواہ ہو کر کرتے ہیں۔ اور یہ وہ لوگ ہیں جو فتح و نصرت سے اپنے ایمان کی وجہ سے ہم کنار ہوتے ہیں، وہ اسلحہ و اسباب اور لاتعداد لشکر پر تکیہ نہیں کرتے ہیں۔ اور یہ لوگ خدا کے کلام کے معارف شناس ہیں ؎

کریں زیست عزم و عزیمت کے ساتھ
وَمِنْ رَحْمَةِ اللّٰهِ لَا یَقْنَطُوْن

یہ عزم و عزیمت کے ساتھ زیست بسر کرتے ہیں وہ خدا کی رحمت سے کبھی مایوس نہیں ہوتے ؎

قَلِیْلُ التَّشَکّیْ قَلِیْلُ الشُّکُوْك
وَعِنْدَ الْمُلِمَّةِ لَا یَفْزَعُوْن

خدا جس حال میں بھی انہیں رکھتا ہے وہ خوش باش رہتے ہیں، وہ نہ اس کی بشارتوں پر شک کرتے ہیں ورنہ اس سے ناسازگاریٔ حالات کا شکوہ کرتے ہیں۔ اگر ان پر کوئی مصیبت آتی ہے تو وہ گھبراتے نہیں بلکہ عزم و عزیمت کے ساتھ اس سے نجات پانے کی کوشش کرتے ہیں۔

دینِ حق کے ماننے والے خدا کی طرف سے جس چیز کا انھیں حکم ہے اس سے متمتع ہوتے ہیں اور خدا کے دین کی تبلیغ کرتے ہیں اور نوکِ شمشیر سے ٹیڑھ کو سیدھا کر دیتے ہیں اور ان کی نظر بلندی پر رہتی ہے ؎

بلندی پہ رہتی ہے ان کی نظر
نہ ہو ان میں حرص و ہوائے ہنود
کریں اُٹھ کے راتوں کو ذکرِ خدا
ہیں ذاکر عَلٰی ذِکْرِھِمْ دَائِمُوْن
وہ کھاتے ہیں سدِ رمق کے لیے
نہ ذکر و عبادت وَلَا یَسْئَمُوْن

خالد دینِ حق کے ماننے والوں کے اوصاف و محاسن اور اخلاق و کردار کا تفصیلی ذکر کرتا ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ خدا کو آنکھوں سے دیکھا نہیں ہے لیکن اس پر ایمان بالغیب لاتے ہیں اور رسالت مآب کے اُسوۂ حسنہ کا اتباع کرتے ہیں اور خدا کے قائم کردہ حدود سے تجاوز نہیں کرتے۔ اور پھر ایسے نیک اعمال لوگوں کے لیے وہ جنت کی بشارت دیتا ہے۔

خالد کہتا ہے کہ ایسے صالح اعمال لوگوں کے وصال کا جب وقت آتا ہے تو خدا کا فرستادہ ان کی رُوح محبت و نرمی سے قبض کرتا ہے اور پھر جنت میں جگہ دی جاتی ہے ؎

اے اہل الوفا اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ
فَاَنْتُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ تُحْبَرُوْنَ

دینِ حق کی تعلیمات ایسی نہیں کہ قابلِ عمل نہ ہوں، یقیناً وہ قابلِ عمل ہیں۔ اور اس دین کو تسلیم کرنے والوں اور اس پر عمل کرنے والوں کے لیے اس دنیا میں بھی سربلندی اور سرخروئی ہے اور آخرت کی سعادتیں اور برکتیں بھی ہیں۔

کامل القادری

رئیس خانہ کی ایک شام

بعض لوگ ایسے ہیں جنہیں دیکھتے ہی عہدِ جنوں لوٹ آتا ہے، گزری ہوئی گھڑیاں مجمرِ عدم سے موجود میں آنکلتی ہیں، دمادم مست قلندر کی صدائے دلنواز سے فضا گونجتی محسوس ہوتی ہے اور حجابات و تکلفات کے دبیز پردے اٹھ جاتے ہیں۔ بے تکلفی، اپنائیت اور فکر و نظر کی جانی پہچانی خوشبو بکھرتی ہے اور غم ہوش ربا قہقہوں میں ڈھل جاتا ہے۔ رئیس امروہوی اور سید محمد تقی چند ایسی ہستیاں ہیں جو مجھے اسی سرپھرے نوجوان کا چہرہ دکھاتے ہیں جو آوارہ کی کملی اوڑھے "سوشلسٹ" کی ادارت سے منسلک تھا۔

یہ برادرانِ امروہہ کہنے کو تو حقیقی بھائی ہیں، لیکن ان دونوں کے مزاج، شوق اور علمی و ادبی فتوحات کے علاقے جدا ہیں۔ رئیس امروہوی نے شعر و سخن کی قندیلیں فروزاں کیں اور قطعہ نگاری میں ایک منفرد مقام حاصل کیا، وہی ان کا فن ٹھہرا اور قاطعِ غمِ روزگار بھی ثابت ہوا۔ لیکن سیاسی قطعات کے وہ بے تاج بادشاہ ہی نہیں "اچھے مرزا" ایسے کردار کے بھی خالق ہیں، اور "اچھے مرزا" کو اردو میں وہی مقام حاصل ہے جو خوجی، چھپن چھری، چچا چھکن، پھینکو ماموں، ایسے زندۂ جاوید کرداروں کو حاصل ہو چکا ہے۔ پھر رئیس امروہوی نے اچھی غزلیں بھی لکھیں، مثنویات میں بھی زورِ بیان دکھایا ہے اور کون سی صنف ہے جس میں انہوں نے جودتِ طبع کے نقوش نہیں چھوڑے۔

رئیس امروہوی کے برعکس سید محمد تقی کا اوڑھنا بچھونا فلسفہ ہے۔ فلسفہ کا یہی شوق انہیں آج سے پچیس سال پہلے دفتر "سوشلسٹ" میں لے آیا تھا۔ قصہ یہ تھا کہ ذاتِ باری تعالیٰ کے بارے میں راقم الحروف نے ایک مطوّل مقالہ لکھا تھا، جسے پڑھ کر انہیں مصنف سے ملنے کا اشتیاق پیدا ہوا —— وہ ملے اور اپنی حیرت کو چھپاتے ہوئے گفتگو کا آغاز کیا، سوالوں کا بوچھاڑ کیا —— اور پھر ہمہ تن گوش ہو گئے۔ یہ پہلی ملاقات بڑی معنی خیز ہوئی، اور آج تک اخلاص و محبت کا رشتہ قائم ہے۔

ایک مدت کی مفارقت کے بعد عبدالعزیز خالد صاحب کے ساتھ برادرانِ امروہہ سے ملاقات ہوئی تو ایک عہدِ گزراں ہمک کر گود میں آ رہا، اور اٹھتے ہوئے یہ طے پایا کہ پرسوں پھر ملا جائے، ساتھ چائے پی جائے، اور احباب کو بھی بلا لیں گے۔

"کیوں بھئی آوارہ" تقی صاحب نے صلاح لی "خالد صاحب آئے ہیں تو کوئی تقریب، غیر رسمی ہی سہی ہونی چاہیئے"۔

"بالکل مناسب ہے" میں نے بے تکلفی سے کہا۔

"اچھا تو کس کس کو بلایا جائے" تقی صاحب نے پوچھا۔

"تمام پرانے پاپیوں کو بلا لیجئے، عالی، انشاء، جلیس . . . . شان الحق حقی، جی الانہ اور جسے آپ مناسب سمجھیں" میں نے کہا۔ میں نے بہت دنوں سے عزلت کا دامن لے رکھا ہے، ہاں کچھ نوجوان شعراء و ادباء بھی آجائیں تو کچھ مضائقہ نہیں، اور خاتون ادب۔ وانو ادب پرور کے اسماء گرامی اور پتے تو آپ کے پاس محفوظ ہی ہوں گے"۔

"ہیں ہیں، ارے یہ کیا کہہ رہے ہو" تقی صاحب نے قہقہہ لگایا۔

بات پکی ہو گئی ـــــ اور پھر جب ہم ۲، اپریل کی شام کو ملے تو رئیس خانہ کے لان میں کرسیاں بچھی تھیں، بزم آراستہ تھی ـــــ مہمان خصوصی آچکے تھے ـــــ اور انشاء جی اپنی مشہور نظم کی غلطیاں نکال رہے تھے کہ گانے والوں نے یہ لفظ بدل دیا ہے، وہ مصرع اڑا دیا ہے اور آغا افتخار کہہ رہے تھے، اچھا تو پھر اپنی نظم کی" ماسٹر کاپی" سنا ڈالو۔

انشاء جی نے تحت اللفظ میں نظم سنائی۔ تحت اللفظ میں بھی شعر سنانا فن کا درجہ رکھتا ہے، لیکن انشاء جی نے محض سنا دیا، کلام کی سادگی، جذبات کی شدت، اور عامۃ الورود خیال نے دلوں میں چٹکیاں لیں ـــــ محفل کی محفل جھوم اٹھی، پھر شان الحق کی جانب لوگوں کی نظر کرم پڑی۔ وہ شرمائے لجائے معذرت کرتے رہے، اصرار بڑھتا گیا اور پھر انہوں نے غزل کیا چھیڑی حسن و عشق، ہجر و وصال، جذب و گریز کی کیفیات کو لہجے کی کھنک میں ڈھال دیا۔ غزل بڑی ظالم صنعت ہے، آسانی سے رام نہیں ہوتی، اور عہد حاضر کے غزل گوؤں میں فراق کے بعد حقی کا مقام بہت بلند ہے، وہ غزل کا مزاج داں ہے اور لب و لہجہ کا ایک ایسا شاعر ہے جو آپ اپنی مثال ہے۔

پھر خالد صاحب کی جانب نظریں اٹھنے لگیں۔ رئیس امروہوی صاحب کا کہنا تھا کہ پہلے چائے کا دور چل جائے پھر خالد صاحب کو زحمت دی جائے۔ انہیں جم کر سنا جائے، ابن انشاء نے سرگوشی کی" چائے کے بعد کلام خالد سننا مناسب نہیں"۔

"کیوں مناسب نہیں" خالد صاحب نے سرگوشی کی۔

"چائے کا مزہ کرکرا ہو جائے گا"۔

میں ہنس پڑا اور پھر یہ طے پایا کہ جب تک چائے آئے چند چیزیں تو سن ہی لی جائیں، مرزا ظفر الحسن صاحب بھی اصرار کر رہے تھے کہ بھائی رئیس کچھ سنوانا ہے تو سنوا دیں۔ چائے کے بعد میں ایک لمحہ نہیں رک سکوں گا میری دکان کھلی ہے۔

دکان سے مراد غالب لائبریری ہے جس کے وہ اعزازی مہتمم ہیں اور خدمت خلق اور خدمت ادب کے جذبے سے علالت کے باوجود مصروف کار رہتے ہیں۔ اس اصرار میں برادرم ابراہیم جلیس بھی شریک ہو گئے اور پھر خالد صاحب نے اپنی نظم" شام" پڑھنی شروع کی۔

کراچی کی دھندلی غبار آلود زرد شام میں ان کی افسوں گری سے شفق کا رنگ ابھر آیا، گلال اڑنے لگے اور شام کی کیفیت گوناگوں جسم و جاں میں اترنے لگی۔ اہتزاز قلبی لبوں پر" واہ، سبحان اللہ، آہا ہا کیا کہنا"

کے مختصر لیکن معنی خیز جملوں میں سمٹ آئے۔

اور پھر انشاء جی کی فرمائش پر خالد صاحب نے ایک غزل سنائی ؎

راہِ اقلیمِ عدم میں رکھ قدم آہستہ تر

محفل میں سبک روی کا احساس پیدا ہوا، شام کا خرامِ ناز سُبک سے سُبک تر ہو گیا، غنچہ دہن مسز قزلباش کے لبوں پر سدا کھیلتی ہنسی معدوم ہو گئی اور آنکھوں کے ستارے جگمگانے لگے۔ سماں بندھ گیا شان الحق حقی، آغا افتخار اور رئیس امروہوی واہ وا کر اٹھے۔ اور بھئی تقی کا کیا کہنا ان کا تو تکیہ کلام ہی واہ ہے۔ خدا جانے وہ کیفیتِ شعر کو محسوس بھی کر سکتے ہیں یا نہیں، آدمی منطقی ہیں اور شاعری و عاشقی کو منطق سے وہی نسبت ہے جو "جمہوریہ" کو "شاعروں" سے۔

پھر چائے کے لئے وقفہ ہو گیا۔ چائے کے بعد کچھ لوگ چلے گئے، کچھ نئے لوگ آ گئے، پروفیسر ممتاز حسین بھی معذرت کرتے پہنچے۔ پھر بزم آراستہ ہوئی۔ بصد اصرار خالد صاحب سے کئی نظمیں سنی گئیں۔ انہوں نے اپنی ایک نظم "پاکستان" سنائی۔ یہ لہو لہان پاکستان کی کہانی تھی۔ سماں بندھ گیا۔ وہ درد و کرب جسے خالد صاحب نے الفاظ و نوا بخشا ہے ہر محبِ الوطن پاکستانی کا درد و کرب تھا، لہٰذا اس کا تاثر ہر ایک کے چہرے سے عیاں تھا — ہر شخص کے دل سے یہ آواز نکلتی محسوس ہو رہی تھی ؎

یہی ہے میرا وطن کیا یہی ہے میرا وطن؟

مشرقی پاکستان کے جانے کا غم خواہ کتنا بھی جاں گداز ہو لیکن یہ عزم بھی قابلِ صد رشک ہے کہ بہ ایں حالِ تباہ ہم اپنے اس وطن کو از سرِ نو آب و تاب دیں گے ؎

ہے یہ خزاں تو اسے رُوکشِ بہار کرو
ہے روسیہ تو اسے رشکِ لالہ زار کرو
ہے نیم جاں تو لہو دے کے زر نگار کرو

خالد کی حُبّ الوطنی کے نہایت جاوداں نقوش اس کی قومی و ملّی نظموں کے مجموعہ "خروشِ خم" میں پائے جاتے ہیں۔ خالد صورتِ حال کی سنگینی سے خائف نہیں، آزردگی تقاضائے بشریت ہے، اور اپنے وطن کو بنانے سنوارنے کا عزم اور رجائیت اس کی مثبت فکر کا عطیہ ہے۔

خالد کثیر الجہات شاعر ہے، اُس کے بعد تقاضا بڑھا تو اس نے حکایتِ گُل و بُلبل کا باب کھولا۔ رسمساتی شام میں جلترنگ بجنے لگا۔ خواب کی کیفیت فضا میں پیدا ہوئی، اور فکر و نظر پر احساسِ جمال کا رنگ چڑھنے لگا ؎

اے کراچی کی ہوائے سوگوار
تو نے دیکھا ہے مری زندہ محبت کا مزار

اور پھر اُس نے "نامۂ نقش گر اک پیکرِ تصویر کے نام" اور "برزخ" سنائی، یہ دونوں نظمیں اُس کے جمالیاتی فکر و نظر اور ذات و صفات کی غمّازی کرتی ہیں۔ شخصی احوال چھُپائے نہیں چھُپتا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ

ہم نے خالد کو محسوس کیا اور سامعین کے چہرے پر ابھرتے ہوئے جذبات کو بھی پڑھا علم وادب کے شناوروں کے چہروں پر گلاب کا رنگ ابھرتے اور آنکھوں میں چمک پیدا ہوتے دیکھی اور کبھی نقی تو رہ رہ کر چلّا اٹھتے۔

و واللہ یہ بالکل نیا ڈائمنشن ڈیولیپ ہو رہا ہے،

ع کیا نیا انداز ہے، ہم تو ان کی پارسائی اور مولویت سے خواہ مخواہ مرعوب تھا اب اصل تصویر نظر آئی۔ واہ سبحان اللہ

و واہ سبحان اللہ! بالکل اچھوتا ہے کیوں بھئی ممتاز اور پروفیسر ممتاز، عظیم نقاد اپنی منگولی آنکھوں میں بجلیاں بھر کر کہتے ہیں۔

Dimension

"ہاں، ہاں، خوب ہے، اس رنگ سے تو ہم آشنا ہی نہ تھے۔ زورِ بیاں بھی ہے اور فکر و نظر بھی۔
مشاہدۂ حسن کا یہ عالم یہ جزئیات نگاری، یہ محاکاتی انداز کس کس بات کی تعریف کی جائے"
خالد صاحب کو تازہ دم ہونے کی مہلت ملی تو لوگ رئیس امروہوی اور شان الحق حقی صاحب کی جانب ملتفت ہوئے۔

حقی صاحب نے ایک پیاری سی غزل سنائی۔ جس نے لوگوں کے احساسِ جمال کو انگیخت کیا۔ زبان کی گھلاوٹ، بیان کی لطافت، خیال کی ندرت ان کے طرزِ سخن کی پہچان ہے، فراق کے بعد غزل گو شعرا کرام میں وہ سرِ فہرست ہیں، ان کا کوئی پاسنگ ہے تو وہ خالد ہی ہے جس نے غزل کو ایک نیا لب و لہجہ، نیا انداز، نیا اسلوب اور نیا ڈکشن دیا ہے۔

شان الحق حقی کے بعد رئیس امروہوی نے ایک نظم " دمادم مست قلندر " سنائی، بزمِ سخن کو گویا خواب سے بیدار کیا۔ ان کے پڑھنے کا انداز، نظم کی معنویت اور آہنگ کے تاثر نے باہم مل کر ایک کیفیت "لا" پیدا کر دی۔ کچھ نہیں اِلّا سے

دمادم مست قلندر

دمادم مست قلندر

اور پھر خالد کے سامنے شمع آئی۔ انہوں نے کئی پیاری پیاری نظمیں اور پھر ایک غزل شروع کی، لیکن ابھی انہوں نے مطلع ہی پڑھا تھا کہ راقم السطور نے اشتعلا چھوڑا کہ ترنم سے یہ غزل سنی جائے گی۔ بھائی نقی نے بھی فرمائش کی۔ بصد اصرار خالد صاحب نے یہ غزل ترنم سے سنائی۔

حقی صاحب نے ترنم کے بارے میں یہ منصفانہ رائے دی کہ "چلے گا" اصل معاملہ یہ ہے کہ خالد صاحب سہگل کے دیس کے ہیں اور نہ معلوم یہ اس دھرتی کا اثر ہے یا کوئی اور بات، خالد صاحب کی آواز میں سہگل کی کیفیت پائی جاتی ہے۔ اگر اس طرف قدرے انہوں نے توجہ دی اور آواز پکائی تو ان میں واقعی اچھے موسیقار ہونے کے امکانات پائے جاتے ہیں۔ ذرا ریاض کی ضرورت ہے۔

اور آخر میں خالد صاحب نے ایک نعت شریف سنائی۔ یہ نعت قُدسی کی نعت پر تضمین تھی اور رئیس امروہوی ایسا کہنہ مشق استاد بھی کہہ اٹھا کہ تضمین کا حق ادا کر دیا۔ یہ قوافی اتنی معنویت کے ساتھ کون باندھ سکتا ہے؟

رئیس خانہ کی شام تمام ہوئی لیکن اس شام کا رنگ دلوں میں اُتر گیا۔ حافظے پر چڑھ گیا۔ جاوداں ہو گیا اور مجھے ذاتی طور پر پہلی مرتبہ احساس ہوا کہ خالد کی جن شاعرانہ خوبیوں کا میں معترف ہوں، وہ واقعی سحر و اعجاز ہے، ایسا جادو ہے جو سر چڑھ کر بولتا ہے۔ وہ ہر طبقۂ شعراء ہر مکتبِ فکر اور ہر دبستانِ ادب کا مشترکہ موضوع ہے اور خالد کا حیاتی طرزِ ادا سخنوروں کو اپنی گرفت میں یونہی لیتا ہے، جیسے اس نے مجھے اپنا دیوانہ بنا رکھا ہے۔

انور سدید

تقریبِ خالد میں چند بے تکلّف لمحے

چند دن ہوئے جیلانی صاحب نے جب مجھے یہ اطلاع دی کہ تقریب میں مجھے بھی عبدالعزیز خالد کے فکر و فن پر مضمون پڑھنا ہے تو سب سے پہلے مجھے اپنی کم مائیگی پر رحم آیا۔ امرِ واقعہ یہ ہے کہ میں نے خالد کو جب بھی پڑھنے کی کوشش کی ہے ان کے علم و دانش نے مجھے ہمیشہ اتنا مرعوب کیا کہ میں نے انہیں بھاری پتھر سمجھ کر چومنے کی جسارت بھی نہیں کی اور عقیدت سے ان کے سامنے سرِ نیاز جھکا دیا۔ کل شام کا واقعہ سُنیے! میں جیلانی صاحب کے ارشاد کی تعمیل کے لیے من حمنا، فارقلیط، دشتِ شام، سرودِ رفتہ، سلومی، ورقِ ناخواندہ، کفِ دریا، غزل الغزلات، برگِ خزاں، دکانِ شیشہ گر، پروازِ عقاب اور حدیثِ خواب وغیرہ کا مطالعہ کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ ایک کتاب کو اٹھاتا اور پھر فوراً اس سے مرعوب ہو کر رکھ دیتا۔ دوسری کتاب کی طرف لپکتا لیکن میرا کوتاہ علم اس کتاب کے آگے بھی گھٹنے ٹیک دیتا۔ میں کسی اور کتاب سے نگاہِ کرم کا امیدوار ہوتا۔ کتاب میرے ساتھ مصافحہ تو کرتی لیکن اپنا بھید نہ کھولتی۔ سمجھ میں نہ آتا کہ مضمون کی ڈوری کہاں سے پکڑوں اور بات کو کس طرح آگے بڑھاؤں کہ جیلانی صاحب کے ارشاد کی تعمیل بھی ہو جائے اور عبدالعزیز خالد کے سامنے بھی سرخرو ہو سکوں۔ مجھے یاد ہے کہ پچھلے دنوں اسی جگہ ایک جشن احمد ندیم قاسمی صاحب کے سلسلے میں بھی منایا گیا تھا اور باوجود یہ کہ اس روز میں نے پانچ سو میل کا سفر شب کاٹا تھا لیکن جشنِ ندیم کے لیے مضمون لکھنے میں مجھے ذرا بھی دقّت نہ ہوئی تھی اور میں نے ساڑھے سات منٹوں میں اپنا مافی الضمیر الفاظ میں ڈھال لیا تھا۔ میں نے پہلے بھی احمد ندیم قاسمی پر لکھنے کی جسارت کی ہے لیکن مجھے اس کی داد کبھی نہیں ملی۔ جشنِ ندیم میں جو تاثرات میں نے پیش کیے ان کی اہمیت یہ ہے کہ ان کی داد خالد احمد نے دی۔ مجھے اردو لکھتے ہوئے ایک عرصہ ہو گیا ہے اور اب تو یہ حالت ہے کہ میں خط کا مضمون لفافہ دیکھ کر اور کتاب کا مضمون عنوان پڑھ کر ہی سمجھ لیتا ہوں۔ جمیل یوسف کا قول ہے کہ میں نے کتاب نہ پڑھی ہو تو تبصرہ اچھا لکھتا ہوں۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ بے بسی کا وہ عالم جو عبدالعزیز خالد پر مضمون سوچتے ہوئے مجھ پر طاری ہے اس کا تجربہ مجھے پہلے کبھی نہیں ہوا۔

مجھے یاد ہے کہ ماضی بعید اور ماضی قریب میں عبدالعزیز خالد کی کئی کتابوں پر میں نے قلم برداشتہ تبصرے لکھے۔ میں نے ان تبصروں کو رسائل کی ناؤ میں ڈال کر وقت کے نیلے پانیوں کے حوالے کر دیا کہ یہ کسی لائبریری کے سمندر میں پہنچیں اور الماریوں کے پاتال میں گم ہو جائیں۔ اب "تحریریں" کا عبدالعزیز خالد نمبر سامنے آیا ہے تو یہ عقدہ کھُلا کہ میرے قلم کے یہ سنگریزے دستبردِ زمانہ کے ہاتھوں تباہ نہیں ہوئے بلکہ میرے دوست حفیظ صدیقی نے انہیں ایک مرتبہ پھر الماریوں کے پاتال میں سے نکالا اور انہیں دوبارہ چھاپ کر میرے اس تاثر کی تجدید کر دی کہ عبدالعزیز خالد کی شاعری

سے، ان کے مبلغ علم سے، ان کے بوقلموں ذوقِ ادب سے، ان کے بیکراں مطالعے سے، ان کی نظموں کی اساطیری فضا سے اور معرب و مفرس اردو سے بہت مرعوب ہوں، پہلی نگاہ میں وہ مجھے ایک بڑے شاعر نظر آئے۔ دوسرے تبصرے میں میں نے انہیں عظیم الشان شاعر کہا۔ تیسرے تبصرے میں میں نے ان کے لیے جلیل القدر کا اسم صفت استعمال کیا۔ علی سردار جعفری نے انہیں اردو کا ایذرا پاؤنڈ کہا۔ کوثر نیازی نے انہیں اس دور کا عظیم شاعر شمار کیا مولانا سعید اشرف ندوی کا ارشاد ہے کہ:

فی عالمِ الشعرِ الاردوی فقد امتاز شعرہٗ فی روعۃ الغزل، سلامۃ الاسلوب و دِقّۃِ المعنیٰ و عُمقِ الفلسفۃِ فی التاریخ والادب والسِیَر۔

"لحنِ صریر" پر تبصرہ کرتے ہوئے میں نے لکھا تھا:۔

"عبدالعزیز خالد کے ہاں فکر، فلسفہ اور علم کا بڑا گہرا امتزاج موجود ہے۔ یہ طلائی تثلیث ان کی ہر رباعی میں موجود ہے۔ اس عالمانہ شاعری سے پوری طرح لطف اندوز ہونے کے لیے خالد جیسی فضیلت اور علم کا ہونا بھی ضروری ہے۔ افسوس ہے کہ اس دور کا قاری اب اس گوہرِ نایاب سے محروم ہوتا جا رہا ہے۔"

سامعینِ کرام! وہ بدنصیب قاری جس کی علمی کم مائگی کا نوحہ میں نے اس تبصرے میں لکھا ہے۔ درحقیقت میں خود ہوں اور میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اس تاثر کی ترتیب میں علی سردار جعفری جیسے ترقی پسند حضرت کوثر نیازی جیسے عالمِ سیاست اور مولانا سعید اشرف ندوی جیسے فاضل عربی کی متذکرہ آراء کا شائبہ تک نہیں بلکہ یہ تاثر میرے ذہن میں اس وقت جاگا جب میں "لحنِ صریر" کی پہلی، نویں، چودھویں، اور تریپنویں رباعی پڑھ کر عبدالعزیز خالد کے سامنے دوزانو ہو چکا تھا اور ان سب کا مفہوم سمجھنے کے لیے اپنے دوست خورشید رضوی کا دروازہ کھٹکھٹا رہا تھا کہ اس شہر میں مجھے ان سے زیادہ عربی جاننے والا کوئی دوسرا نظر نہیں آتا۔ آگے بڑھنے سے پہلے دو ایک مشتے نمونہ از خروارے پیشِ خدمت کرتا ہوں:۔

کر صبر وَمَا صَبْرُکَ اِلَّا بِاللّٰہ
کیا اس نے عبث تجھ کو کیا ہے پیدا؟
قُلْ کُلُّ الْخَیْرِ اَرْجُوا مِنْ رَّبِّیْ
مَا کَانَ عَطَاءُ رَبِّکَ مَحْظُوْرًا ٥

٥

لِلنَّاسِ ضَرَبْنَا فِیْ ھٰذَا الْقُرْاٰن
مِنْ کُلِّ مَثَلٍ پر ہے کہاں ایمان
رَبِّ اَرِنِیْ کَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی
مومن ہوں مگر یُشَکِّکُنِی الشَّیْطَان

٥

عبدالعزیز خالد کی اس معرب اردو سے میرے ایک دوست اتنے متاثر ہوئے ہیں کہ وہ انہیں

اردو کے بجائے عربی کا شاعر شمار کرتے ہیں۔ ان کی کتابوں کو ریشمیں جزدان میں لپیٹ کر گھر کے سب سے اونچے طاق پر سجائے ہیں اور ان کی عقیدت کا عالم یہ ہے کہ ان کا مطالعہ کرنے سے پہلے وضو کر لیتے ہیں کہ خدا جانے کس شعر میں کوئی آیۂ کریمہ کب نزول فکر فرمائے اور وہ بے وضو تلاوت سے ثواب دارین سے محروم نہ رہ جائیں۔ یوں عبدالعزیز خالد کی شاعری کی ایک بالواسطہ عطا یہ بھی ہے کہ وہ ہم جیسے گنہگار مسلمانوں کو جنہیں قرآن حکیم ناظرہ پڑھنے کی توفیق بھی نہیں ہوتی۔ اپنی شاعری کے وسیلے سے بہت سی آیاتِ قرآنی بھی پڑھا دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مولانا رازق الخیری نے انہیں "شاعرِ اسلام" کا خطاب دیا۔ شفقت کاظمی مرحوم کو ان کے فن میں مومنانہ شاعری کی صفات نظر آئیں۔ علامہ علاؤالدین صدیقی نے فرمایا کہ وہ رسول اللہ کے ارشادات کو عام کرتے ہیں اور بجنور کے ایک ہندو ادیب نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ :۔

"عبدالعزیز خالد درحقیقت شاعری نہیں کرتے بلکہ شاعری کے بہانے ہم ہندوؤں کا دھرم بھرشٹ کر رہے ہیں"

چنانچہ میرا یہ ذاتی خیال سیّد ضمیر جعفری سے ماخوذ ہے کہ عبدالعزیز خالد اگر اپنے کلام کا سلیس اردو میں ترجمہ کر دیں (اور یہ کام پاکستان میں ان کے سوا کوئی نہیں کر سکتا) تو کچھ ہندو ضرور مسلمان ہو جائیں۔ تاہم یہ یقین تو مجھے اب بھی ہے کہ خدا انہیں اس تبلیغ کا اجر ضرور دے گا بلکہ شاید دے بھی چکا ہے کہ ان کی کتابیں حُسنِ سیرت کا مثالی معیار ہی پیش نہیں کرتیں بلکہ حُسنِ صورت کے لحاظ سے بھی ان کا کوئی مثیل نہیں اور مُحِبُّ الجمال یہ نور صرف ان لوگوں کو عطا کرتا ہے جن پر اس کی خاص نگہِ لطف و کرم ہوتی ہے۔

آپ کو شاید علم نہ ہو کہ ہم شاعر اور ادیب قسم کے لوگ نفسِ مضمون پر تو نظر بعد میں ڈالتے ہیں لیکن کتاب کے سرورق، جلد بندی، کاغذ کی ملائمت، کتابت کی رعنائی، ظاہری زیبائش اور خارجی حسن آرائی پر تعدادِ اشاعت حتیٰ کہ ایڈیشن نمبر کو بھی سب سے پہلے رقابت کی نگہ سے دیکھتے ہیں اور کسی کتاب کو اگر دوسرا ایڈیشن نصیب ہو جائے تو اس کا تذکرہ ہر محفل میں یوں کرتے ہیں جیسے یہ رتبۂ بلند صرف اس کتاب کو ملا ہے۔ مجھے یاد ہے کہ پچھلے دنوں ایک محفل میں میرے ایک نقاد دوست اپنی ایک کتاب کے دوسرے، تیسرے یا شاید چوتھے زیرِ اشاعت ایڈیشن کا تذکرہ بڑے طمطراق سے کر رہے تھے۔ اتفاق سے ایک افسر مصنف بھی اس محفل میں موجود تھے۔ انہوں نے چوتھے ایڈیشن کی طرح پر گرہ لگائی کہ ان کی کتاب کا پہلا ایڈیشن ایک ماہ میں، دوسرا پندرہ دنوں میں، تیسرا پانچ دنوں میں فروخت ہوا۔ پھر چھ ایڈیشن چھپنے سے پہلے فروخت ہو گئے اور اب گیارھویں ایڈیشن کی اجازت کے لیے ناشران کے پیچھے پیچھے کبھی اسلام آباد، کبھی ہانگ کانگ، کبھی ہونولولو اور کبھی چیچو کی ملھیاں کا چکر لگا رہے ہے اور انہیں اتنی فرصت بھی نہیں کہ وہ اس مظلوم کو اجازت نامہ ہی لکھ کر دے سکیں۔ خدا جانے انہوں نے اتنی مقبول کتاب کس فرصت میں لکھ لی تھی۔ اس محفل میں ایک ایسے صاحب بھی موجود تھے جنہیں خالص ادب کی آٹھ دس کتابوں کی تخلیق اور اشاعت کا تجربہ ہو چکا تھا اور جو جانتے تھے کہ ادبی کتاب کا ایڈیشن کتنے عرصے میں ختم ہوتا ہے۔ وہ اس بیان پر حیران ہوئے اور حیرت کے اسی سمندر میں غوطہ زن ہو کر دریافت کیا "کیا آپ نے بھی نسیم حجازی کے طرز میں کوئی ناول لکھا ہے؟" — یہ بات تو محض برسبیلِ تذکرہ آ گئی ہے

مقصود صرف یہ عرض کرنا تھا کہ عبدالعزیز خالد نے خالص شاعری کی کتابیں تخلیق کی ہیں اور انہوں نے مجھے اس زاویے سے بھی مرعوب کیا ہے کہ وہ کسی محفل میں بھی اپنی کتابوں کا تذکرہ نہیں کرتے۔ حالانکہ ان کی شاعری کی بعض کتابیں دوسرے ایڈیشن میں اور چند ایک تیسرے ایڈیشن میں جا رہی ہیں اور اب ان کے بے شمار مداح جب شیخ غلام علی اینڈ سنز کی دکان پر جاتے ہیں تو ان سے عبدالعزیز خالد کی ایک آدھ کتاب طلب نہیں کرتے بلکہ ان کی انیس کتابوں کا سیٹ مانگتے ہیں اور ناشر پورا سیٹ کبھی فراہم نہیں کر سکا کہ خالد کی نئی کتاب آنے سے پہلے ان کی دو چار کتابیں ضرور "آؤٹ آف سٹاک" ہو چکی ہوتی ہیں۔ میرے لیے وہ دن استعجاب سے زیادہ مغلوبیت کا دن ہوتا ہے جب ڈاکیہ دبیز کاغذ میں لپٹی ہوئی کوئی کتاب میرے حوالے کرتا ہے اور بنڈل کی گرہ کشائی سے مجھے یہ علم ہوتا ہے کہ عبدالعزیز خالد کی کسی پرانی کتاب کا نیا ایڈیشن چھپ گیا ہے۔

یہ واقعہ جیلانی صاحب سے منسوب ہے کہ نئی غزل لکھ لیتے ہیں تو پرانی پھاڑ دیتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ آج تک ان کا دیوان مرتب نہیں ہو سکا۔ عبدالعزیز خالد کے ہاں معاملہ اس کے برعکس ہے۔ وہ کثرت تخلیق سے تو نہیں گھبرائے کہ ان کے اندر جو آتش فشاں چھپا ہوا ہے وہ ابھی تک اپنا لاوا مسلسل اگل رہا ہے لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اب وہ کثرتِ اشاعت سے کچھ اکتا چکے ہیں اور اس کی نہایت یہ ہے کہ عبدالعزیز خالد اب اپنی پرانی کتابوں کو منسوخ قرار دے کر یکسر نئی کتابیں انہی ناموں سے ترتیب دے رہے ہیں "زرِ داغِ دل" اور "ماتم یک شہر آرزو" ناخلف اولاد کی طرح ان کے پدری حقوق سے عاق ہو چکی ہیں شاید مستقبل قریب میں کچھ اور کتابیں بھی ان کے اس عملِ تنسیخ کا شکار ہو جائیں۔ تاہم یہ بات کافی مرعوب کن ہے کہ انہوں نے معنوی اولاد سے اپنا واسطہ پوری طرح منقطع نہیں کیا۔ بلکہ پہلی اولاد کے جسم سے تخلیقی روح نکل جانے کے بعد خالد نے اس کا جسم تو مٹی میں دفن کر دیا ہے لیکن اس کے خاکستر سے ایک اور ققنس کو جنم دیا ہے جو اب نئے انداز اور نئی لے میں شعر کا جادو بکھیرے گا۔ شعرا کی عظیم برادری میں کانٹ چھانٹ کا یہ عمل بہت کم نظر آتا ہے۔ ہمیں ہر مصرع جان سے بھی زیادہ عزیز ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جو اشعار پوری غزل کا قالب اختیار نہیں کرتے وہ دیوان کے آخر میں "مفردات" کے طور پر شائع ہوتے ہیں، چنانچہ پرانے زمانے میں دیوان کم اور کلیات زیادہ شائع ہوتے تھے۔ یہ رجحان نئے زمانے کے شعراء کے ہاں بھی موجود ہے البتہ انہوں نے یہ التزام روا رکھا ہے کہ بچپن، لڑکپن اور جوانی کی غزلیں الگ الگ مجموعوں میں شائع کی ہیں کہ ہر عمر کا قاری اپنے ذوق اور ظرف کے مطابق ان سے فیض اٹھا سکے۔ مجھے اعتراف ہے کہ عبدالعزیز خالد نے اپنی عزیز ترین شاعری کے کچھ حصے کو کلام منسوخ قرار دے کر بالواسطہ طور پر ہم سب کو آئینہ دکھایا ہے اور میں نے فیصلہ کیا ہے کہ اب تک جو میں نے پانچ چھ غزلیں کہی ہیں ان سب کو متروک قرار دے کر خالد کے سلسلہ میں شامل ہو جاؤں۔

بعض کم نظر رقیبوں نے یہ ہوا بھی اڑائی ہے کہ عبدالعزیز خالد کی مقبولیت میں ان کا بڑا عہدہ بھی شامل ہے۔ مجھے اس حقیقت کو تسلیم کرنے میں کوئی امر مانع نہیں کہ عہدہ بڑی چیز ہوتا ہے اور اس کے گرد مفاد کیند مکھیاں ہر وقت بھنبھناتی رہتی ہیں۔ میرے ایک شاعر دوست اسسٹنٹ فوڈ کنٹرولر ہیں ایک محفل مشاعرہ میں

انہیں اتنی داد ملی کہ بالآخر ان کی غزل کو ہی حاصلِ مشاعرہ قرار دینا پڑا۔ مشاعرے کے اختتام پر بے شمار ادب دوستوں نے ان کے دستِ کرم سے آٹو گراف حاصل کیے۔ دوسرے روز پتہ چلا کہ یار لوگوں نے موصوف کے دستخطوں سے چینی چاول اور آٹے کے پرمٹ بنا لیے اور داد کا صلہ جنس کی صورت میں وصول کر لیا۔ حضرات! عہدہ، کار اور بنگلہ جہاں لوگوں کو مرعوب کر ڈالتا ہے وہاں رقابت کے جذبات بھی پیدا کرتا ہے۔ وزیر آغا صاحب کی مثال آپ کے سامنے ہے۔ جب بھی ان پر تنقید دشنام ہوئی ہے ان کے کرم فرماؤں نے ان کی چھپن ماڈل کی کار سے جواب بھی پچھتر ماڈل کی کار نظر آتی ہے محبت کا اظہار پہلے کیا اور ان کی زمینوں پر اگنے والے مالٹے پہلے شمار کئے اور پرنسپل غلام جیلانی اصغر صاحب نے تو حاسدوں کی دشنام طرازیوں سے محفوظ کرنے کے لیے ہی انہیں یہ مشورہ بھی دیا تھا کہ:۔

"آغا صاحب! اپنی تمام زمینیں میرے نام رجسٹری کر دیجیے۔ پھر دیکھیے ان ناہنجاروں سے میں کیسے نپٹتا ہوں۔"

آغا صاحب نے یہ قیمتی مشورہ ابھی تک جانے کیوں قبول نہیں کیا۔

عبدالعزیز خالد کے بارے میں مشہور ہے ایک دفعہ ان کے پاس ایک ایسا نوجوان پیش ہوا جس کے ذمے ٹیکس کی کافی رقم واجب الادا تھی۔ اس نے بتایا ہے کہ تشخیص منصفانہ نہیں ہوئی اور اس کا باپ اس صدمے سے جاں بحق ہو گیا ہے۔ خالد صاحب نے جرح کرتے ہوئے پوچھا "والد کب فوت ہوا؟" اس نے بتایا کہ "۱۷ دسمبر ۱۹۷۱ء کو جس روز پاکستان نے بھارت کے سامنے ہتھیار ڈالے"۔ یہ بات سن کر خالد نے اس نوجوان کو جو رعایت زیادہ سے زیادہ دے سکتے تھے دے دی۔ کسی نے کہا کہ "ہو سکتا ہے اس نوجوان نے جھوٹ بولا ہو" خالد صاحب نے کہا، "یہ ان کا اپنا معاملہ ہے ——" جب سے یہ واقعہ میں نے پڑھا ہے، مجھے یقین ہو گیا ہے کہ خالد صاحب پاکستان میں افسری کی جو روایت روز افزوں ترقی کر رہی ہے اسے آگے نہیں لے جا سکتے اس قسم کا عہدہ شاعر کے لیے تہمت ہوتا ہے۔ جانے خالد صاحب اس تہمت کو اپنے ساتھ کس طرح چپکائے ہوئے ہیں۔ چنانچہ یہ میرا یقین ہے کہ عہدہ سماجی طور پر تو مقامِ بلند عطا کر سکتا ہے لیکن عظیم شاعری کی تخلیق میں کوئی مدد نہیں دیتا۔ جن لوگوں کو خالد صاحب کی خلوت اور جلوت میں شریک ہونے کا موقع ملا ہے وہ بتاتے ہیں کہ خالد دفتر ہو یا گھر، کہیں بھی افسر نظر نہیں آتے بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ افسری ایک ایسی دستار ہے جسے انہوں نے مجبوراً اوڑھ رکھا ہے اور اگر جیلانی صاحب اس تہمت سے نجات دلانے کے لیے خالد صاحب کی طرف دستِ طلب دراز کریں تو مجھے یقین ہے کہ وہ انہیں وزیر آغا کی طرح ہرگز مایوس نہیں کریں گے۔ اور اپنی کرسی بلا حیل و حجت ان کے حوالے کر کے آپ شعر کے غارِ حرا میں گم ہو جائیں گے۔

اہم بات یہ ہے کہ عبدالعزیز خالد کی شاعری کو اب تک جن عظیم المرتبت لوگوں نے سندِ تحسین عطا کی ہے ان میں ڈاکٹر سید عبداللہ، ڈاکٹر وزیر آغا، ڈاکٹر غلام جیلانی برق، ڈاکٹر غلام مصطفیٰ، ڈاکٹر وحید قریشی، ڈاکٹر شوکت سبزواری، ڈاکٹر عبدالسلام خورشید، ڈاکٹر آغا افتخار حسین، ڈاکٹر محمد حسن، ڈاکٹر ابوالخیر کشفی، ڈاکٹر وارث کرمانی، ڈاکٹر صفدر حسین، ڈاکٹر فرمان فتح پوری، ڈاکٹر اسلم فرخی، ڈاکٹر جمیل جالبی جیسے اربابِ علم شامل ہیں اور

یہ ایسے ڈاکٹر ہیں جو ادب کی تشخیص میں عہدے اور مرتبے کو خاطر میں نہیں لاتے۔

حضرات! مجھے عبدالعزیز خالد کو قریب سے دیکھنے کا شاید موقع نہیں ملا۔ مجھے اب تک ان سے صرف دو چار ملاقاتوں کا شرف حاصل ہوا ہے اور ان ملاقاتوں میں انہوں نے مجھے بے تکلفی کی جس نہایت سے سرفراز کیا ہے اس کی بنا پر میں کہہ سکتا ہوں کہ دوسرے لوگوں کو مرعوب کرنا ان کی عادت نہ ہا بی۔ وہ مطالعہ اپنی داخلی قوت کو بڑھانے کے لیے کرتے ہیں اور ان کی شاعری اس وافر قوت کے اخراج کا ہی وسیلہ ہے تاہم کچھ ایسے کارنامے ان سے ضرور سرزد ہو جاتے ہیں جن کا سحر دوسرے ناظرین کو فوراً ہی اپنی گرفت میں لے لیتا ہے اور انہیں خالد سے مرعوب ہوئے بغیر چارہ ہی نہیں رہتا۔ مجھے یاد ہے کہ جن دنوں وہ اسلامیہ کالج کے ہیلی ہوسٹل میں رہتے تھے اور بایزید تخلص کرتے تھے تو میں ان دنوں بھی ان سے مرعوب تھا۔ اسلامیہ کالج میں فارسی کے استاد رفیق خاور اور عربی کے استاد رفیق احمد صاحب بنفسِ نفیس فرسٹ ایئر کے اس طالب علم کے کمرے میں تشریف لے جاتے اور گھنٹوں ان سے گپ شپ لگاتے۔ بعد میں پتہ چلا کہ یہ دونوں جلیل القدر استاد جناب بایزید کی فارسی شاعری سے مرعوب تھے اور انہیں سمجھا بجھا کر اردو کی راہ پر ڈالنے کی کوشش کر رہے تھے اور بالآخر اس میں کامیاب ہوئے۔

ان ہی دنوں کا ایک واقعہ مجھے یاد ہے۔ عبدالعزیز بایزید کے کمرے سے کچھ علمی کتابیں چوری ہو گئیں۔ اسلامیہ کالج ہوسٹل میں چوری کا واقعہ بڑا سنگین جرم تھا۔ چنانچہ تلاش شروع ہو گئی اور مجرم پکڑا بھی گیا۔ جب کالج کے پرنسپل ڈاکٹر عمر حیات ملک صاحب نے مجرم طالب علم سے باز پرس کی تو عبدالعزیز صاحب بھی وہاں موجود تھے طالب علم منہ لٹکائے کھڑا تھا اور ڈاکٹر ملک غصّے کے عالم میں پوچھ رہے تھے۔

"بتاؤ، تم نے کتابیں کیوں چرائیں؟"

طالب علم کو کوئی راہِ فرار نہ ملی تو اس نے دبی زبان سے کہا۔

"سر! میں اپنی لائبریری بنانا چاہتا تھا۔"

عبدالعزیز خالد نے جب یہ سنا تو اس طالب علم کو اپنے کمرے میں لے آئے، چائے پلائی اور کتابوں کی الماری کھول کر کہا،

"بھائی! آپ کو جتنی کتابیں درکار ہوں لے جائیے اور اپنی لائبریری میں سجا دیجیے۔"

دوسرے روز کالج کے ہر گوشے میں عبدالعزیز صاحب کا نام گونج رہا تھا اور وہ جس طرح سے گزرتے طلبہ مؤدب کھڑے ہو جاتے۔

عبدالعزیز خالد کی ابتدائی زندگی کا یہ واقعہ بظاہر غیر اہم نظر آتا ہے اور شاید انہیں یاد بھی نہ ہو۔ سچی بات یہ ہے کہ "تحریریں" کا "خالد نمبر" شائع ہونے سے پہلے مجھے یاد بھی نہیں تھا لیکن اس نمبر میں جب میں نے غالب لائبریری والے میرزا ظفر الحسن کا یہ بیان پڑھا کہ خالد نے غالب لائبریری کے لیے اپنے کتب خانے سے جو رسائل عطا کیے انہیں اٹھانے کے لیے ٹرک کا انتظام کرنا پڑا اور میرزا صاحب کبھی رسائل کو اور کبھی عبدالعزیز خالد کو دیکھتے تھے جنہوں نے اپنے پاسبانِ عقل کی پروا کیے بغیر رسائل کا اتنا بڑا انبار ان کے حوالے

کر کے انہیں اتنے رعب تقسیم سے متاثر کر ڈالا تھا۔ اس سے ایک اہم بات یہ بھی ثابت ہو گئی ہے کہ خالد صاحب کی کتابیں ان کی بیگم صاحبہ سے بھی محفوظ ہیں یا پھر ان کی پاسبانِ عقل خالد کی اقلیم ادب میں دخل اندازی ہی نہیں کرتی۔ ادھر ہمارا یہ حال ہے کہ جب گھر میں دو چار رسالے جمع ہو جاتے ہیں تو بیوی انہیں کھا جانے والی نظروں سے دیکھنے لگتی ہے اور میری پہلی غیر حاضری میں اسے ردی فروش کے حوالے کر کے گھر کی بے ترتیبی کو ترتیب آشنا کرنے میں مصروف ہو جاتی ہے۔ کبھی کسی رسالے کا ضخیم نمبر آجاتا ہے تو بیوی کی خوشی بے پایاں ہوتی ہے اور وہ مجھ سے بار بار پوچھتی ہیں؟ "دفتر نہیں جائیں گے؟" تو کب کے بج چکے"۔ اطلاعاً عرض ہے کہ تین چار دنوں سے مجھے "افکار" کا "ندیم نمبر" تلاش کے باوجود نہیں مل رہا۔ میرا خیال ہے کہ یہ ضرور کسی شریف حلوائی کی دکان پر رس گلوں سے معانقہ کر رہا ہے۔

حضرات، زندہ ادیبوں پر خصوصی نمبروں کا ذکر آیا ہے تو مجھے اس بات کا اظہار بھی کرنا ہے کہ عبدالعزیز خالد نے اس میدان میں مجھے ہی نہیں بلکہ دنیا بھر کے ادیبوں کو مرعوب کر ڈالا ہے۔ خالد دنیا کے واحد ادیب ہیں جن کے فکری اور فنی زاویوں پر ان کی زندگی میں دو خاص نمبر شائع ہوئے۔ زندہ شناسی کی پہلی مثال "نیرنگِ خیال" کا دُبلا پتلا اقبال نمبر تھا جو علامہ کی زندگی میں شائع ہوا اور آج تک حوالے کی کتاب شمار ہوتا ہے۔ پھر افکار نے "جوش نمبر" شائع کیا اور اس قدر ردِ عمل پیدا ہوا کہ اس کے اثرات کم کرنے کے لیے ساقی کو اس کا تریاق شائع کرنا پڑا۔ پھر فیض نمبر، حفیظ نمبر، اور ندیم نمبر ایک ایک جلد میں شائع ہوئے۔ نگار نے نیاز فتح پوری نمبر دو جلدوں میں اور ستارہ نے عبدالعزیز خالد نمبر تین جلدوں میں شائع کیے۔ جلدوں کی تعداد کے لحاظ سے بھی خالد صاحب کا نمبر آگے ہی آگے جا رہا تھا کہ تحریریں نے ایک اور خالد نمبر شائع کر دیا اور یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ عبدالعزیز خالد کا طغیانِ فکر شاعری کی انیس کتابوں میں سمٹ نہیں سکا تو اس کی بوقلموں شخصیت اور ان کا متنوع فن صرف ایک نمبر میں کس طرح سما سکتا ہے اور اگر مستقبل قریب میں تحریریں، "خالد نمبر ۲" کا اعلان کر دے تو مجھے اچنبھا نہیں ہوگا۔

فضل من اللہ

شام کا چاند

۴ر اکتوبر: دعوتی کارڈ میرے سامنے ہے۔ شامِ عزیز بہ اعزاز — شاعرِ اعظم عبدالعزیز خالد، زیرِ صدارت علامہ عبدالعزیز میمن سابق صدر شعبۂ عربی علی گڑھ، کراچی و لاہور یونیورسٹی بتاریخ ۷ر اکتوبر، ۵ بجے شام، بمقام ۱/۲۳ موتی لال نہرو روڈ کراچی نمبر ۵ — افتتاحی تقریر پروفیسر ڈاکٹر غلام سرور صدر شعبۂ فارسی کراچی یونیورسٹی۔ مقالہ مولانا سید حسن مثنیٰ ندوی اور تقریریں چار ڈاکٹروں اور پروفیسروں، تین مولاناؤں اور ایک مولوی صاحب کی!

اور صرف کارڈ ہی نہیں ایک لمبا سفر بھی لاہور سے کراچی کا!

کارڈ میرے سامنے تھا اور لمبا سفر بھی اور تخیل سلگنا چاہتا تھا۔ پانچ چھ زبانوں کے الفاظ نگینوں کی طرح جڑے الفاظ لئے ہوئے، اشعار کا ہجوم سامنے تھا اور شام کا چاند طلوع ہو رہا تھا۔ لندن میں، اردو اکیڈمی لندن، خالد کو خراجِ تحسین پیش کر رہی تھی۔ ۲۵ر مئی ۱۹۶۷ء کو، پاک و ہند کے اہلِ علم کے پیغامات لندن پہنچ گئے تھے۔ بیرسٹر محمد یٰسین سوری صدرِ اجلاس تھے۔ مولانا اسد القادری اور ڈاکٹر میاں محمد شبیر، خالد کی شخصیت شاعری اور اندازِ فکر پر روشنی ڈال رہے تھے اور دور نشیں کہہ رہے تھے "لندن میں بیٹھ کر اردو شاعر اور پھر "اسلامی شاعر" کی یاد منانا خود ایک بلند ہمتی کا نشان اور عالی ظرفی کی دلیل ہے مبارک ہیں وہ لوگ جو وہاں رہ کر بھی اپنی زبان کو بھولے ہیں نہ اپنے رجال کو"

یہ مولانا عبدالماجد دریا بادی کی آواز تھی۔ علی گڑھ سے مولانا سعید احمد اکبر آبادی فرما رہے تھے "اردو زبان فنی، ادبی اور شعری حیثیت سے کس نقطۂ عروج پر پہنچ گئی ہے۔ عبدالعزیز خالد کی شاعری جو "جزویست از پیغمبری" کی روح اور جوشِ بیان کے اعتبار سے مصداق ہے، خود اس کی شاہد عادل ہے"۔ سندھ یونیورسٹی سے ڈاکٹر غلام مصطفیٰ "موجودہ دور کے علماء و فضلاء، شعراء و ادباء میں علم و فضل کے لحاظ سے بہت کم ایسے ہوں گے جن کو خالد صاحب جیسا تبحر حاصل ہو۔ وہ بکثرت زبانوں اور متعدد علوم میں مہارت رکھتے ہیں اس لیے ان کا کلام عوام کی علمی سطح سے بہت بلند ہے۔ اور یہی ان کی امتیازی شان ہے۔ فارقلیط اور منحمنّا لکھنے والا خالد نام اور کام دونوں کا "خالد" ہے" — اور پھر اپنے لاہور سے اپنے شورش کی آواز:

"عبدالعزیز خالد بلاشبہ پاکستان میں اسلام کے نمائندہ شاعر ہیں انہوں نے جو کچھ لکھا ہے ہمارے ملی ادب کا بیش بہا سرمایہ ہے۔ مستقبل کا مورخ ان کے رشحاتِ فکر کا جائزہ لیے بغیر اس زمانے کے مسلمانوں کی ذہنی سرگزشت پر قلم نہیں اٹھا سکے گا جہاں تک زبان کا تعلق ہے وہ اس کے شہسوار ہیں اور جہاں تک بیان کا معاملہ ہے

ان کی سحر طرازی ایک نئے آہنگ اور ایک نئی امنگ سے مالا مال ہونے کے علاوہ "لہو ترنگ" بھی ہے غرض علامہ اقبال نوجوانوں سے جس ادب کے خواہاں تھے عبدالعزیز خالد اس قافلۂ ادب کے سرخیل ہیں۔"

کارڈ میرے سامنے تھا اور ۷، اکتوبر کی شام گزر چکی تھی۔ ۷، اکتوبر کی شام جو ہنگامہ خیز تھی اور میں سوچ رہا تھا، قلم منتظر تھا، کاغذ منتظر تھا، ذہن میں مناظر گردش کر رہے تھے۔ میں شام کے چاند کو شیشے میں اتارنا چاہتا تھا مگر چاند دُور تھا۔

تیز گام میں سرونٹس کلاس کا ڈبہ، لاہور سے کراچی کا سفر پہلی بار! دیر تک لکڑی کی سخت نشست پر اکڑوں بیٹھ کر کبھی سونے اور کبھی جاگنے کا تجربہ اور تیز گام کی تیزی ریلوے پلیٹ فارم کے میز بانوں کی مہنگی میز بانی، اگرچہ گھٹیا قسم کی۔ صبح کے وقت حیدر آباد کے قریب ایجنسی انسپکٹر منشیات کی تلاش میں ایک مزدور کی جان پر بنائے ہوئے۔ میں خوش ہو رہا تھا کہ چلو تخیل کا اونٹ کسی کروٹ بیٹھا تو سہی۔

کراچی پہنچ کر وہ عالم نہ ہوا جو باہر سے لاہور آکر ہوتا ہے۔ پس ایسے لگا جیسے اپنی اکبری منڈی پہنچ گئے ہیں۔ میں نے اس احساس کو جلدی سے ذہن میں کلفٹن کی تصویر ابھاری تو ساری کلفت دُور ہو گئی۔ اب سوچا جلدی جلدی شام عزیز تک آنا چاہیے۔ پھر سوچا کہ ایسی جلدی بھی کیا ہے ذرا خود کو بہلانا چاہیے مثلاً وہ رکشے والا اور وہ ٹیکسی والے ریگل کے اسٹاپ پر بس سے اتر کر میں نے رکشا پکڑا "شیریں منزل" — رکشا والا چلا تو سہی مگر کولمبس بن کر، دو قدم چل کر رکشا روکا۔ بھائی صاحب سیریں منزل؟" بھائی صاحب سیریں منزل کا پتہ تو کوئی فرہاد ہی بتا سکے گا۔" واللہ! کیا حاضر جوابی ہے۔

کارڈ میرے سامنے تھا — شام عزیز — بہ اعزاز — شاعرِ اعظم عبدالعزیز خالد، زیرِ صدارت . . .

اور پھر ۱۸، نومبر کا چاند ڈھاکہ میں طلوع ہوا۔ پاکستان اردو اکیڈمی ڈھاکہ نے خالد کے اعزاز میں ایک شام منائی۔ اس تقریب کو شوکت صدیقی، قتیل شفائی، رضیہ فصیح احمد، جمیل جالبی، ڈاکٹر حنیف فوق، قدرت اللہ شہاب، سرور بارہ بنکوی، ادیب سہیل، مولانا عابد دانا پوری، وحید قیصر ندوی، شاہد غازی پوری اور بہت سے دیگر شعرا، ادیبوں، صحافیوں، ادبی انجمنوں کے عہدیداروں نے زینت بخشی۔ صدارت کی کرسی پر پاکستان کے مایۂ ناز ماہرِ لسانیات جناب ڈاکٹر محمد شہید اللہ رونق افروز ہوئے۔ جناب افسر ماہ پوری، پروفیسر نظیر صدیقی، اسد القادری اور جناب اسلم فرخی نے تقریریں کیں۔ بقول افسر۔ عبدالعزیز خالد نے پاکستان میں پہلی بار طویل نظموں کو رواج دیا ہے اور اردو شاعری میں ڈرامے لکھے ہیں۔ خالد علم کا سمندر ہیں۔ انہوں نے علمی سطح پر اردو ادب کو جس مقام پر لا کھڑا کیا ہے وہ بہت بلند سطح ہے اور خالد نے جو ادبی تخلیقات پیش کی ہیں انہیں ہم دنیا کے کسی بھی ادب کے مقابلے میں فخر کے ساتھ پیش کر سکتے ہیں۔ انہوں نے اپنی شاعری کے لیے جس تندہی اور ریاضت سے کام لیا ہے اس کی مثال نہیں ملتی۔ ممتاز نقاد پروفیسر نظیر صدیقی کے الفاظ: میں گزشتہ پندرہ برس سے ان کی تخلیقات کا مختلف رسائل و جرائد کے ذریعے مطالعہ کرتا رہا ہوں اور اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ وہ اپنے اہم ترین فرض کی تکمیل میں کوشاں ہیں۔ ان کی شاعری اگرچہ عربی زبان سے بہت

متاثر ہے اور انہوں نے اپنی نظموں میں عربی کے بے شمار ایسے الفاظ استعمال کیے ہیں جو اردو کے قاری کو اجنبی معلوم ہوتے ہیں مگر یہی شاعری ان کی انفرادیت کی تعمیر میں انہیں مدد دیتی ہے اور اسی انفرادیت کی بنا پر وہ اپنے ہم عصر شاعروں میں ایک الگ مقام رکھتے ہیں۔ پاکستان اردو اکیڈمی اور مجلس علماء پاکستان کے صدر مولانا اسد القادری: "پاکستان ایک نظریاتی مملکت ہے جس کی اساس اسلامی اقدار پر ہے۔ ضرورت ہے کہ آج کے ادب میں بلکہ ہر شعبۂ حیات میں اس نظریے کو اپنایا جائے جس کی بنیاد پر پاکستان کا قیام ایک نظریاتی مملکت کی حیثیت سے وجود میں آیا تھا۔۔۔" پھر اردو ادب کے ممتاز نقادوں اور مقالہ نگاروں کے حوالے سے انہوں نے خالد کو اسلامی شاعر ثابت کیا اور انہیں اردو کے دو ممتاز شاعروں یعنی نظیر اکبر آبادی اور مولانا ظفر علی خاں کے ہم مرتبہ قرار دیا — "جناب والا لحن صریر میں خالد۔۔۔۔" یہ ڈاکٹر اسلم فرخی تھے جو لحن صریر پر اپنا مقالہ پیش کر رہے تھے اور بنگلہ کے ممتاز شعراء صلاح الدین محمد اور کوی جسیم الدین نے بھی اس شام کے چاند کو دیکھ کر اپنی مسرت کا اظہار کیا — صدارتی خطبہ: اردو اور بنگلہ نہ صرف یہ کہ پاکستان کی قومی زبانیں ہیں بلکہ ان کی مثال دو ایسی شاخوں کی ہے جو ایک پودے سے پھوٹی ہوں۔ میری مادری زبان اگرچہ بنگلہ ہے مگر اردو سے بھی مجھے اتنی ہی محبت ہے جتنی بنگلہ سے۔۔۔ پاکستان ایک اسلامی ریاست ہے لہٰذا یہاں کے شاعروں اور ادیبوں کو اپنے ادبی فن پاروں میں اسلامی نظریۂ حیات کو اپنانا چاہیئے۔ اس سلسلہ میں عبدالعزیز خالد کی ادبی خدمات قابلِ تعریف ہیں اور مجھے امید ہے کہ ہمارا شاعرِ اعظم مستقبل میں بھی اپنی شاعری کے ذریعہ اسلامی نظریۂ حیات کی تبلیغ کرتا رہے گا۔"

روزنامہ پاسبان ڈھاکہ سے میں نے نظر اٹھائی تو پھر دیکھا کہ کارڈ میرے سامنے ہے "شامِ عزیز —" میں پھر سوچنے لگا۔ میں نے ایک صاحب سے پوچھا تھا "بھائی صاحب موتی لال نہرو روڈ کس طرف ہے" اس نے لمبا چوڑا جواب مجھے دیا تھا اور جب وہ چلا تو مجھے خیال آیا کہ وہ بنگالی ہے۔ اس کی باتوں میں مٹھاس بھی اور جادو بھی۔ جی خوش ہو گیا۔ سوچا کہ رپورتاژ کی ابتدا اسی واقعہ سے کرنی چاہیے۔ مگر قلم اڑیل ٹٹو ہو گیا۔ سوچا کراچی کی شامِ عزیز کا حشر بھی کہیں لاہور کی شامِ عزیز ایسا نہ ہو۔ شام کا چاند لاہور میں بھی چمکا تھا۔

بی۔این۔آر سنٹر آڈیٹوریم میں اس شام کا اہتمام حلقۂ اربابِ ادب نے کیا تھا۔ اسلامی مشاورتی کونسل کے صدر جناب علامہ علاؤالدین صاحب صدیقی یہاں میرِ مجلس تھے۔ عارف عبدالمتین صاحب اور جناب ارشد احمد حقانی نے خالد کے شعر و فن اور شخصیت پر گفتگو کی تھی۔ صدرِ حلقہ ڈاکٹر سلیم فاروقی نے کہا تھا: خالد صاحب بچپن ہی سے پرورشِ شعر و سخن کر رہے ہیں۔ انہیں اردو، فارسی، عربی، سریانی، یونانی، سنسکرت، ہندی اور انگریزی زبانوں پر عبور حاصل ہے" — صدرِ جلسہ حضرت علامہ کے الفاظ: "خالد اپنی شاعری کے ذریعے اسلامی رجحانات کو فروغ دینے میں کوشاں ہیں۔ جہاں تک ان کی مشکل گوئی کا تعلق ہے۔ یہ دراصل ان کے فن کی عظمت اور ان کے وافر علمی ذخیرے کا ثبوت ہے۔ ایک شاعر جب اہم مسائل پر اہم باتیں کہنا چاہتا ہے تو وہ مختصر سے مختصر الفاظ میں اپنا مقصد حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے اور اس کام کے لیے اسے

مشکل سے مشکل الفاظ استعمال کرنا پڑتے ہیں۔ میرا شاعر وہی ہے جس کا کلام اسلام کی تعلیمات کے لیے وقف ہے اور جو رسولِ خدا کے ارشادات کو عام کرتا ہے اور عبدالعزیز خالد بلاشبہ یہی خدمات انجام دے رہا ہے" اور کارڈ ابھی میرے سامنے ہے۔ شام . . .

یہ ۲۳/۱ معلق لال نہرو روڈ کراچی ہے۔ شام عزیز اپنے جوبن پر ہے۔ شام کا چاند چودھویں کے چاند کی طرح روشن ہے۔ جناب منصور علی سلیم سہروردی ایم اے مائیک کے سامنے آ گئے ہیں۔ لیجئے وہ کہہ رہے ہیں، شاعرِ اعظم عبدالعزیز خالد سے :۔

تری ہستی حریمِ شعر کی شمعِ درخشاں ہے
بساطِ علم و حکمت جس کی ضَو پاشی پہ نازاں ہے

تری طبعِ رواں ہے یا کوئی سیلِ خروشاں ہے
معانی کا سمندر ہے، حقائق کا گلستاں ہے

ترا ہر شعر نورِ دیدۂ معنی نگاہاں ہے
جہانِ حُسن جس میں با ہزاراں ناز رقصاں ہے

تری دانش، تری بینش، تری کاوش، تری کاہش
ترے زائیدگانِ فکر سے پیہم نمایاں ہے

ترے ذوقِ نظر کی پاک دامانی کے کیا کہنے
نبیؐ پاک کی اُلفت ترے دل میں فروزاں ہے

نئی راہیں جہانِ شعر میں تو نے نکالی ہیں
جہاں تیرا سمندِ فکر پیہم گرمِ جولاں ہے

تری مشکل پسندی ہے وہ روشن آئنہ جس میں
ترے عزمِ جواں کی خالدیت جلوہ ساماں ہے

نوادر ندرتِ گفتار کے یکجا کیے تُو نے
کہ جس سے عظمتِ کردار کا جلوہ نمایاں ہے

متاعِ سوز کے سو پے خزانے تجھ کو فطرت نے
ترے شعروں کی لے زخمہ زنِ سازِ رگِ جاں ہے

تو اک لعلِ دل افروزِ ادب ہے یہ مسلّم ہے
ترا ہر شعرِ نَو ہم قیمتِ لعلِ بدخشاں ہے

فدائے سرورِ کونینؐ ہے اس درجہ دل تیرا!
تری تخلیق مومن ہے، ترا ایماں مسلماں ہے

تری آشفتگی شیرازہ بندِ شوق ٹھہری ہے
تری پُرسوز لے بے شک حریفِ صد نیستاں ہے

ہے تیرا خامۂ مشکیں رقم سرمایۂ ملّت
مشامِ روح جس کی نکہتوں سے خلد ساماں ہے

ترے زورِ قلم میں پرتوِ شمشیرِ خالدؓ ہے
تب و تابِ مجاہد جس کے جلووں سے نمایاں ہے

کہاں تک طول دوں میں اس حدیثِ روح پرور کو
کہ جس میں دلکشیٔ ابتسامِ مہ جبیناں ہے

سلیمؔ اس گلشنِ خوبی کی پہنائی کوئی دیکھے
یہاں ذوقِ نظر کو شکوۂ تنگیٔ داماں ہے

(۲)

دی شب داستان یہاں تک بیان ہوئی تھی کہ جب شام کا چاند کراچی میں اُبھرا تو اہلِ نظر نے اسے ۲۳ موتی لال نہرو روڈ میں جمع ہو کر دیکھا اور جناب منصور علی سہروردی نے شاعرِ اعظم عبدالعزیز سے مخاطب ہو کر کہا ؎

تری، ستی حریمِ شعر کی شمعِ درخشاں ہے
بساطِ علم و حکمت جس کی ضو پاشی پہ نازاں ہے

سو اس شام احباب نے دیکھا، کیا کہا، کیا سنا۔ جی چاہتا تھا کہ آپ کو بھی دکھاؤں، آپ کو بھی بتاؤں، آپ کو بھی سناؤں۔ سو میں نے ایک بار پھر خود کو ۲۳ موتی لال نہرو روڈ پہنچانے کی کوشش کی۔ اہتمام یہ کیا کہ ذرا فضا جب حسبِ حال ہو جائے۔ بس مجلسِ حاضرات کا سامان باندھا۔ خالد کے کلام کے کچھ مسوّدات میز پر رکھ لیے — لحنِ صریر کا نسخہ جسے محترم نے اس خاکسار کو بھیج کر نوازا تھا سامنے رکھ لیا۔ پہلے سرِ ورق دیکھ کر خورسند نہ ہوا پھر کلام سے روح کی بالیدگی کا سامان شروع ہو گیا ؎

اسبابِ فراغ کے طلب گار نہیں
ہم تشنہ لبِ ابرِ گہر بار نہیں
لا عِلْمَ لَنَا اِلَّا ما عَلَّمْتَ
با وصفِ خودی، نشّۂ پندار نہیں

ہم رشحِ قلم کو بانگ نے کہتے ہیں
خونابۂ دل کو موجِ مے کہتے ہیں
لاشی کو مجسّم و مصوّر کر کے
ہم صورت گر "نہیں" کو "ہے" کہتے ہیں

اب بھی "حاضرات" نہ ہوئی تو بے کار باتیں سوچنا شروع کر دیں مثلاً خالد عربی، فارسی وغیرہ سے لدی پھندی ثقیل شاعری کیوں کرتے ہیں؟ خود ہی جواب دیا، کراچی کے موسم کا اثر ہے۔

پھر ان کی ایک نظم یاد آئی جو ان کے رنگ سے بالکل الگ تھی۔ رومانی بھی تھی اور نقوش میں شائع ہوئی تھی۔ خود سے پوچھا اس نظم کے بارے میں پھر خود ہی جواب دیا۔ "یہ نظم انہوں نے لاہور میں کہی ہو گی۔" "ہونہہ

—— "یہ آواز —— یہ آواز میری تو —— میری تو نہیں تھی۔ لیکن پھر ہمت کر کے کہہ دیا۔ "تو پھر انہوں نے لاہور کی طرف رخ کر کے کہی ہوگی ——" "ہونہہ" اب یہ آواز ذرا بلند تھی اور واضح بھی تھی۔ میری بھی نہیں تھی —— یہ قلم مجھے دو اس سے ادھر کی نہیں ہانکتے۔ اس کی اللہ نے قسم کھائی ہے۔

یہ تھے مفتی انتظام اللہ شہابی، سیکرٹری جنرل، پاکستان اردو اکیڈمی کراچی۔ ہماری "حاضرات" میں یہی آ سکے تھے سو انہوں نے ہم سے قلم چھینا اور لکھنا شروع کر دیا:

۷ اکتوبر ۱۹۶۷ء کو پاکستان اردو اکیڈمی کے زیرِ اہتمام "شامِ عزیز" منائی گئی۔ اس میں علامہ عبدالعزیز میمن جیسے بزرگ نے بہ نفسِ نفیس شرکت فرمائی جن کی شخصیت محتاجِ تعارف نہیں۔ ادبِ عربی پر جن کا ہر قول، قولِ فیصل کی حیثیت رکھتا ہے۔ عربی زبان و ادب کا اتنا بڑا وسیع النظر محقق دنیا میں کم یاب ہے۔ اس جلسے میں پاکستانی ہسٹاریکل سوسائٹی کے سیکرٹری ڈاکٹر سید معین الحق، اردو بورڈ کراچی کے مدیرِ اعلیٰ ڈاکٹر شوکت سبزواری جامعۂ کراچی کے صدرِ شعبۂ عربی، ڈاکٹر سید محمد یوسف، صدر شعبۂ فارسی۔ ڈاکٹر غلام سرور شعبۂ عمرانیات کے پروفیسر ڈاکٹر بشارت علی مرکزی ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی کے رفیق، ڈاکٹر رشید افروز، اردو بورڈ کے سیکرٹری شان الحق حقی، پروفیسر رفیق خاور، مولانا سید حسن مثنیٰ ندوی، ڈاکٹر ریاض الحسن، ڈاکٹر ایل۔ آر خان، ڈاکٹر ایم۔ آر شیرازی، سید وصی احمد بلگرامی، مفتی انتظام اللہ شہابی، رئیس احمد اللہ خاں، حکیم خواجہ رضوان احمد، پروفیسر محمد عمر، مولانا سید سعید اشرف ندوی وغیرہ موجود تھے۔ یہ شام بڑی رنگا رنگ تھی اور ان سب کی نگاہِ نقد و نظر کا مرکز عبدالعزیز خالد شمعِ محفل کی طرح ان کے سامنے بیٹھے تھے۔

اردو اکیڈمی کے صدر مولانا اسد القادری نے اپنی تقریر سے آغاز کیا اور کہا عبدالعزیز خالد صاحبِ فکر شاعر اور بڑے شاعر۔ چالیس کی عمر ابھی پوری نہیں کی ہے لیکن شاعرِ اعظم صاف نظر آ رہا ہے جو ان کے اندر موجود ہے عبدالعزیز خالد نے کتاب اللہ کا مطالعہ کیا ہے۔ احادیثِ نبوی اور سیرتِ طیبہ پر ان کی عمیق نظر ہے۔ ان کی نظر آسمانی کتابوں پر بھی ہے اور زمینی کتابوں پر بھی۔ ان کو اللہ سے اور اللہ کے رسولؐ سے بڑی محبت ہے۔ ان کے ہیرو وہی ہیں جن کو اسلام نے ہیرو قرار دیا ہے۔ وہ امتِ مسلمہ کو امتِ مسلمہ ہی کی صورت میں دیکھنا چاہتے ہیں۔ انہوں نے ادبِ عربی کا وسیع مطالعہ کیا ہے۔ مجھے ناز تھا کہ ادبِ عربی کا مطالعہ میں نے ہی کیا ہے مگر عبدالعزیز خالد کو دیکھا تو یہ شعر یاد آیا ؎

ہر بیشہ گمان مبر کہ خالیست　　شاید کہ پلنگ خفتہ باشد

وہ نہ صرف عربی ادب کو بلکہ دوسری زبانوں کے ادب کو بھی چھوڑنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ عبرانی و سریانی ہو کہ انگریزی و جرمن مگر ان کی روح اسلامی ہے جو ہر جگہ ان کی رہنمائی کرتی ہے اور اسی لیے عبدالعزیز خالد مجھے اس قدر محبوب ہیں کہ وہ اپنے آپ کو نہیں بھولتے۔ میں نے لندن میں بھی یومِ عبدالعزیز خالد منایا اور آج کراچی میں بھی یہ شامِ عزیز آپ جیسے صاحبانِ فکر و نظر کی موجودگی سے روشن ہے۔ آپ مجھ سے زیادہ عبدالعزیز خالد کو جانتے پہچانتے ہوں گے، میں اس سے زیادہ کیا کہوں کہ ملت کو ایسے ہی شاعروں اور ادیبوں کی ضرورت ہے۔ اقبال نے دعا کی تھی "میرا نورِ بصیرت عام کر دے" اور میری بھی یہی دعا ہے۔

ڈاکٹر معین الحق نے مختصر تقریر میں کہا کہ میں تاریخ کا آدمی ہوں۔ اس شامِ عزیز میں شرکت کے لیے حاضر تو ضرور ہوا ہوں مگر مجھے عبدالعزیز خالد کے کلام کو ابھی پڑھنا ہے مگر اتنا ضرور کہوں گا کہ ہمارے شاعروں اور ادیبوں کو علوم و فنون پر حاوی ہونا چاہیے اور اس طرح جو شخص بھی اردو زبان اور تاریخ و ادب کی خدمت کر رہا ہے وہ قابلِ مبارکباد ہے اور میں عبدالعزیز خالد کو مبارک باد دیتا ہوں کہ وہ بڑی خدمت کر رہے ہیں۔

ڈاکٹر غلام سرور نے کہا کہ میں فارسی زبان و ادب سے تعلق رکھتا ہوں اور حیران ہوں کہ عبدالعزیز خالد کو فارسی پر کتنی قدرت حاصل ہے۔ ان کا فارسی کلام تو اپنی جگہ ہے اردو نظموں میں بھی جا بہ جا فارسی کا کوئی مصرعہ یا پورا شعر آجاتا ہے تو ہم فارسی زبان والوں کو ایک اور ہی کیفیت حاصل ہوتی ہے۔ عبدالعزیز خالد کا علم ہمہ گیر ہے اور صحیح معنی میں شاعر و ادیب بھی وہی مکمل ہے جس کا علم لسانی و معانی ہمہ گیر ہو۔ عبدالعزیز خالد ایسی ہی گوناگوں خصوصیات کی بنا پر آج ملک کے شاعرِ اعظم ہیں مولانا اسد القادری نے صحیح کہا:۔

ڈاکٹر سید محمد یوسف نے کہا میں عبدالعزیز خالد کی عربی دانی سے آگاہ ہوں۔ ان کو عربی زبان پر حاکمانہ قدرت حاصل ہے۔ وہ عربی اشعار بھی بڑے سلیقے سے کہتے ہیں لیکن ان کے عربی اشعار عام لوگوں کے سامنے نہیں آتے اور آئیں تو سمجھے گا کون۔ ان کے قدر دان بہت کم لوگ ہیں۔ وہ اپنی اردو اور فارسی نظموں میں آیاتِ قرآنی، احادیثِ نبوی اور محاوراتِ عرب کو اس خوبی سے استعمال کرتے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے کہ نگینے جڑ دیئے گئے ہیں۔ اس سے ان کی قدرت کا اندازہ ہوتا ہے۔ عبدالعزیز خالد کو عربی زبان و ادب کا بڑا اچھا ذوق ملا ہے اور جس کی نظیر عربی زبان و ادب کے قدیم و جدید ذخیروں پر ایسی ہو اس کی ہمہ گیری کے اعتراف کے لیے اور کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے۔

ڈاکٹر شوکت سبزواری نے کہا ہے کہ ابتداً زبانوں میں نئے نئے تجربے کیے جاتے ہیں اور یہ بالکل فطری ہے اردو زبان میں بھی شروع سے آپ دیکھیں گے کہ کیسے کیسے تجربے ہوئے اور ہر نئے تجربے پر لوگ چونک اٹھتے ہیں۔ غالب اور مومن نے بھی تجربات کیے۔ یہ صحیح ہے کہ زبان کو عام فہم ہونا چاہیے۔ اس لیے غالب پر بھی اس دور میں بڑے بڑے اعتراضات ہوتے تھے کہ "ان کا کہا یہ آپ سمجھیں یا خدا سمجھے"۔ مگر آج اس غالب کا کلام سب سمجھ رہے ہیں اور محظوظ بھی ہو رہے ہیں اور غالب بڑا شاعر ہے۔ عبدالعزیز خالد کے کلام پر بھی اگر یہ اعتراض ہو کہ ان کی بات سمجھ میں نہیں آتی تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ عبدالعزیز خالد بھی نئے تجربات کر رہے ہیں اور ان کے تجربات کا انداز اپنی نوعیت کا پہلا ہے۔

پروفیسر خاور سابق مدیرِ ماہِ نو نے کہا کہ میں عبدالعزیز خالد کو کم عمری سے جانتا ہوں۔ لاہور میں جب میں انگریزی زبان و ادب کا پروفیسر تھا تو عبدالعزیز خالد طالب علم تھے اور میں نے اسی وقت چمک ان کے اندر پائی تھی ؎

بالائے سرش زہوش مندی
می تافت ستارۂ بلندی

جدید شاعری مغرب سے یہاں آئی ہے۔ بلینک ورس۔ نظمِ آزاد اور منظوم ڈراموں کے علاوہ جدید اندازِ بیان کے بھی بہت تجربے کیے گئے ہیں مگر کامیاب کوششیں بہت کم ہوئی ہیں۔ کہا گیا کہ معرّیٰ شاعری آزاد نظم اور منظوم ڈرامے ہماری اردو زبان کے لیے نامانوس ہیں۔ میں اسے نہیں مانتا۔ جو تجربے ایک زبان میں ہوئے وہ دوسری

زبان میں بھی ہو سکتے ہیں اور کامیاب ہو سکتے ہیں مگر شرط یہ ہے کہ گہرا مطالعہ کیا جائے۔ اس کی حقیقت کو سمجھا جائے۔ میں نے خود ساری عمر اس دشت کی سیاحی کی ہے اور انگریزی ادب کا مطالعہ کیا ہے۔ یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ عبدالعزیز خالد کے سارے تجربے اعلیٰ ہیں لیکن بہت سی مثالیں دی جا سکتی ہیں کہ خالد نے شیکسپیئر اور گوئٹے کے بعض موضوعات پر قلم اُٹھایا ہے۔ ان کو بڑی کامیابی سے ادا کیا ہے۔ ایک جگہ گوئٹے نے شیطان کا کردار بڑی خوبی سے پیش کیا ہے۔ وہی کردار خالد نے پیش کیا تو ایسے الفاظ و تشبیہات سے کام لیا کہ اصل سے آگے بڑھ گئے۔ یہ بات گہرے علمی و ادبی اور نفسیاتی مطالعہ سے پیدا ہوتی ہے۔ خالد اپنے منظوم ڈراموں کے افراد کے لیے ناموں کا انتخاب بھی خوب کرتے ہیں جن کے صوتی اثرات بھی بڑی معنویت اپنے اندر رکھتے ہیں۔ مجھے مسرت ہے کہ خالد نے یہ کمال حاصل کیا۔

مولانا سید حسن مثنیٰ ندوی نے ایک شاندار مقالہ پڑھا۔ مقالہ کیا تھا بہ قول ؎

عید است و ساقی در قدح صہبا زمینا ریختہ
در کاسۂ الماس گوں لعلِ مصفّا ریختہ

انہوں نے کہا کہ عبدالعزیز خالد نے بڑا ریاض کیا ہے اور مشق و ریاض کے مرحلوں سے گزرنے کے بعد ہی آدمی آدمی بنتا ہے۔ شعر و ادب کی بے شمار قسمیں ہیں اور خالد نے تمام اصنافِ سخن پر طبع آزمائی فرمائی ہے۔ میں یہاں صرف ان کی نعت گوئی پر کچھ عرض کروں گا اور یہی ان کا حاصلِ کلام ہے۔ فارقلیط اور منحمنّا ان کی تازہ کتابیں ہیں۔ یہ نعت کا مجموعہ ہیں۔ نعت گوئی بڑا نازک فن ہے۔ وہی لوگ اس میں کامیاب ہوتے ہیں جنہوں نے اپنے دل میں محبّتِ رسولؐ کی باضابطہ پرورش کی ہے اور اپنے قلب و روح کو احتیاط و احترام کو خوگر بنایا ہے۔ ایسا نہ ہو تو جذبات قابو میں نہیں رہتے اور اس کے لیے لفظ و بیان پر قدرت ضروری ہے۔ عبدالعزیز خالد کے دل میں محبّتِ رسولؐ کی چمک موجود ہے۔ وہ محبّت کی نزاکتوں سے بھی واقف ہیں اور اس کے نرم لہجے سے بھی آگاہ ہیں۔ کوئی چودہ سو سال کا خفیہ ذخیرہ ان کے سامنے ہے اور انہوں نے اس کا مطالعہ کیا ہے۔ وہ مانتے ہیں کہ محبّت شیفتگی چاہتی ہے، آشفتگی نہیں۔ سپردگی چاہتی ہے شوریدہ سری نہیں۔ ہوش چاہتی ہے، بے ہوشی نہیں۔ اس لیے ان کی نعت میں کیف ہے اور انوکھا پن بھی۔ حضرت حسّانؓ بن ثابت اور کعب بن زُہیر اور بوصیری کے مقبول ترین عربی قصائد سے لے کر محسن کاکوروی کے اردو قصیدے تک جو روح کارفرما ہے اس کی جھلکیاں خالد کے یہاں بڑے انداز سے موجود ہیں۔ خالد کے کلام میں غلطیاں بھی ہوں گی مگر خوبیاں بہت زیادہ ہیں۔ ثقالت بھی ہو گی مگر سلاست بھی کم نہیں۔ لوگ آسانی چاہتے ہیں لیکن جہاں بات علم کی ہو، فکر کی ہو اور پھر غزل کی بھی نہیں قصیدے کی ہو تو بڑا ظلم ہو گا کہ اگر آسان کہنے کا مطالبہ کیا جائے، آسان کہنے کی فرمائش کو سہل انگاری و تن آسانی ہی کہا جائے گا۔ عبدالعزیز خالد کے یہاں مشکل پسندی یا ثقالت علم کی ہے۔ علم و معلومات کا دریا امنڈتا ہے تو اس میں نرمی کبھی نہیں ہوتی۔ آبِ جُو میں نرمی ملے گی، ٹھنڈا پانی بھی ملے گا لیکن موتی تو متلاطم دریا ہی کی تہہ میں ملیں گے۔ اس لیے موتی کے طلبگاروں کو موجوں پر قابو پانے کی کوشش کرنا ہو گی۔ مولانا سید حسن مثنیٰ ندوی کا یہ علمی و ادبی مقالہ تو پورا ہی پڑھنے کا ہے۔ اس میں بے شمار معلومات اور فکر انگیز بحثیں درج ہیں۔

ڈاکٹر بشارت علی نے کہا کہ میں مولانا سید حسن مثنیٰ ندوی کے اس ادیبانہ شاندار مقالے کے بعد صرف اتنا کہنا چاہتا ہوں کہ عمرانیات کے طالب علم کی حیثیت سے شاعری میں ہیئت اور معانی کے علاوہ فکر کو بنیادی حیثیت حاصل ہے اور مسلم قوم کی حیثیت سے ہمارا فرض ہے کہ اپنی بنیاد پر ہماری گرفت مستحکم رہے ہماری بنیادِ فکر اسلام ہے۔ عبدالعزیز خالد کی فکر اسلامی ہے۔ پاکستان جیسے ملک کے شاعروں اور ادیبوں کو یہی راہ اختیار کرنا ہوگی۔ یہی عمرانیات کا تقاضا ہے۔ میرا فن کہتا ہے کہ مرکز سے علیحدہ ہو جانے کے بعد نہ شاعری، شاعری باقی رہتی ہے، نہ ادب ادب!

آخر میں علامہ عبدالعزیز میمن نے فرمایا کہ میں بھی عبدالعزیز ہوں اور یہ بھی عبدالعزیز ہیں مگر میں فانی ہوں یہ "خالد" ہیں (یعنی باقی رہنے والے) آپ جانتے ہیں کہ میری ساری عمر عربی زبان و ادب کے مطالعہ میں صرف ہوئی ہے اور عربی کو "اُمّ الالسنہ" کہا جاتا ہے۔ یہ زبانوں کی ماں ہے، اس لیے اگر عربی زبان کے بارے میں کچھ کہوں تو یہ سمجھیے کہ بہت سی زبانوں کے بارے میں کہہ رہا ہوں۔ عربی ادب میں ایسا ذخیرہ موجود نہیں ہے جیسا عبدالعزیز خالد نے پیش کیا ہے۔ یہ بہت ذہین اور طبّاع نوجوان ہیں اور بڑی نظر رکھتے ہیں ان کو عربی ذوق حاصل ہے۔ ان کے ہاں سلاست اور روانی بھی ہے۔ اس سے مجھے بے حد مسرت ہوئی۔ مولانا ابوالکلام آزاد اپنے دور میں ایک قسم کی نثر کے موجد تھے۔ عبدالعزیز خالد اپنے دور میں ایک خاص قسم کی نظم کے موجد ہیں جو نثر سے بہرحال مشکل تر ہے۔ خالد اردو کے پہلے شاعر ہیں جس نے ایک صدی کے بعد عربی سے ٹوٹا ہوا رشتہ جوڑا ہے ہاں ان کے یہاں کچھ غرابت بھی ہے لیکن ضروری نہیں کہ ہمیشہ رہے۔ ان کی ہر نظم توضیحی حواشی بھی چاہتی ہے۔ وہ بہت سی زبانیں جانتے ہیں اس لیے ان کی تلمیحات کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ میں دعا کرتا ہوں کہ خدا ان کو سلامت رکھے اور مزید ترقی عطا کرے۔

جعفر شیرازی

خالد۔ جدید اسلوب کا شاعر

عبدالعزیز خالد شاعری میں اتنا معتبر نام ہے کہ ان کی ذات کسی تعارف کی محتاج نظر نہیں آتی۔ انھیں نئے اسلوب کی شاعری کا امام گردانا جا سکتا ہے۔ اس لیے کہ شاعری میں جو منفرد اسلوبِ سخن اُنھوں نے اپنایا ہے وہ آج تک کسی شاعر کے حصے میں نہیں آیا۔ اور نہ ہی کسی میں یہ حوصلہ اور جرأت پیدا ہوئی۔ شعر ہمیشہ سہل نگاری کی وجہ سے قاری پر اثر انداز ہوتا ہے اور شعر پڑھتے ہی اس کے تمام محرکات قاری کے ذہن میں اپنے پورے تاثّر کے ساتھ سرایت کر جاتے ہیں۔ ہر شاعر کی کوشش ہے کہ وہ اپنے تخلیقی تاثّر سے شعری انفرادیت کو قائم رکھ سکے۔ اس طرح کہ وہ جاوداں حیثیت اختیار کر جائے اور اس کا وہ مخصوص اسلوب اس کی پہچان بن جائے۔ میں یہاں کسی شاعر کی مثال نہیں دینا چاہتا۔ الفاظ میں بذاتِ خود بڑی قوت اور رعنائی ہوتی ہے اور جو شاعر ان الفاظ کو استعمال کرتے وقت شعر کے وقار کو بحال رکھ سکے شاعری اس کے لیے بشارت بن جاتی ہے۔

عبدالعزیز خالد نے جہاں شعر کے وقار کو بحال کیا ہے وہاں الفاظ کو بھی آبرو بخشی ہے۔ اور ان کی طاقت میں بے پناہ اضافہ بھی کیا ہے۔ عبدالعزیز خالد کی شاعری بلاشبہ ارتقا پذیر معیارات کی شاعری ہے۔ ان کا مطالعہ بے حد وسیع ہے۔ ان کو عربی زبان پر بے پناہ عبور حاصل ہے۔ اسی لیے عربی کے الفاظ کو جس آسانی اور آزادی سے عبدالعزیز خالد نے استعمال کیا ہے اس کی مثال ملنی ناممکن ہے۔ عربی کے الفاظ کا یہ استعمال بلاشبہ ہماری شاعری کے لیے سرمایۂ افتخار ہے۔

عبدالعزیز خالد کا یہ اسلوب اتنا منفرد اور ذاتی ہے کہ برسوں تک ان کی اس فکری توانائی اور قوّتِ الفاظ کا تقابل ناممکن نظر آتا ہے۔

ان کی شاعری جہاں معاشرتی زندگی کی ساری کیفیتیں اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے وہاں وہ عشقِ رسول سے بھی اس طرح معمور نظر آتی ہے۔ کہ وہ دیوانۂ رسول کہلانے میں حق بجانب نظر آتے ہیں۔ عربی الفاظ کو عبدالعزیز خالد اتنی آسانی اور چابک دستی اور روانی سے استعمال کر جاتے ہیں کہ قاری کا ذہن متحیّر ہو کر رہ جاتا ہے۔ فن پر عبور ان کی شاعری کا طرۂ امتیاز اور بھرم ہے۔ اور وہ اس بھرم کو قائم رکھے ہوئے ہیں۔ اس طرح کہ قاری کے ذہن میں فن کی ساری لطافتیں ندرتیں نئے استعاری اسالیب کے ساتھ اس کے سامنے اُبھر آتی ہیں۔ اور ان کی شاعری آسمانِ فن کا صحیفہ نظر آنے لگتی ہے۔

عبدالعزیز خالد کا مطالعہ بے پناہ وسیع ہے اور اسی لیے الفاظ کا بے پناہ ذخیرہ اُن کے ہاں موجود ہے۔ جن کے استعمال کے لیے وہ مکمل مہارت رکھتے ہیں جیسے کوئی جادوئی کھیل ہو۔ ان کی شاعری اصلاحی اور مقصدی بھی ہے لیکن اس کے لیے ان کی شاعری کو تواتر کے ساتھ پڑھنے کی ضرورت ہے۔ تاکہ ان کے علم کو مکمل طور پر سمجھا جا سکے۔ اُن کا لہجہ الفاظ و بیان کے رنگ میں نہایت نمایاں ہے۔ اتنا نمایاں کہ اُسے کسی سے تشبیہ نہیں دی جا سکتی۔

عبدالعزیز خالد کو تمام اصناف سخن میں بے حد عبور حاصل ہے۔ فن کی یہ معراج جو انھیں عطا ہوتی ہے وہ بہت کم شعراء کو نصیب ہوئی ہے، ان کی شاعری کے دائرہ عمل میں وسعت اور کشادگی اس قدر ہے کہ شاعری کے اس مخصوص مزاج کی تشکیل میں جو کردار اُنہوں نے ادا کیا ہے وہ کسی دوسرے شاعر کے حصے میں نہیں آ سکتا۔ عبدالعزیز خالد کی شاعری کو سمجھنے کے لیے اعتدال پسند نقادانِ فن کو آگے آنے کے لیے نہایت جرات کی ضرورت ہے۔

عبدالعزیز خالد کا جذبۂ شعر اخلاق اور مذہب کے جذبے کے تحت ہے۔ ان کی تمام تر شاعری میں حسن اور مجازی معنویت پنہاں ہے۔

عبدالعزیز خالد اپنی نظموں اور کتابوں کے نام رکھتے وقت شکوہِ الفاظ اور جمالِ فن کے تمام پہلو نظر میں رکھتا ہے ناموں کی ان تراکیب میں اور حسن میں جدت بدرجۂ اتم ہے۔ وہ معاشرہ، مذہب اور دین کے ساتھ یکساں انصاف کرتا ہے اور اسی لیے ان کی یہ عظمتِ فکر بے شک نہایت امتیازی اور اہمیت کی حامل ہے اور اس شعری ریاضت میں ان کا فن کے ساتھ سلوک بالکل نمایاں اور واضح ہے۔ وہ نہایت قادرالکلام شاعر ہے۔ اتنا قادرالکلام کہ اس کے شعر کے حسن میں اظہارِ جمال کے ساتھ ساتھ اظہارِ علم کی بھی ساری کیفیتیں موجود ہیں۔ اُنہوں نے شاعری کو یہ نیا آہنگ عطا کرتے وقت فن کو ہمیشہ اولیت بخشی ہے۔ اور اَب وہ انفرادیت کی اس معراج پر جلوہ گر ہیں جہاں پہنچنا دوسروں کے لیے محال بلکہ ناممکن ہے۔

عبدالعزیز خالد نے شاعری کو حمد و نعت کی دولت سے بھی مالا مال کیا ہے۔ اور اس وقت میں نئے نئے الفاظ اور ان کے استعمال میں جس خوبصورتی اور مہارت کا مظاہرہ کیا ہے وہ ان کے فن کی مکمل پختگی کی واضح دلیل ہے۔ بلاشبہ اُنہوں نے شاعری کو عربی فارسی کے ایسے الفاظ دیئے ہیں جو ان کو سرے شعراء پر فوقیت دلانے میں مدد و معاون ثابت ہوئے ہیں۔ ان کے اس فن میں فکر و تحقیق کی بے پناہ توانائیاں موجود ہیں۔ الفاظ کی کثرتِ استعمال اور خوبیٔ زبان و بیان کی وجہ سے ان کو صاحبِ کمال شاعر کہنے میں مجھے ہرگز باک نہیں ہے۔ ان کی شعری عظمتوں کا احاطہ کرنے کے لیے عوامل پر نظر ڈالیں تو شاعری کی اَدبی و لسانی رفعتیں ان کے بے پناہ علمی تشخص میں پوشیدہ نظر آتی ہیں۔

حب رسول کا جذبہ ان کے کلام میں اپنی پوری جلوہ گری کے ساتھ موجود ہے ۔ شکوہِ الفاظ ، خوبصورت عبدالعزیز خالد وہ واحد شاعر ہے جس کا آہنگ ایسا ہے کہ اسے مکمل طور پر ان کا اپنا آہنگ قرار دیا جا سکتا ہے اور یہ آہنگ اگر انہیں شہرت دوام نہ بخش سکا تو میں کہوں گا کہ ان کے ساتھ بہت بڑی بے انصافی ہو گی

تشبیہات و استعارات ان کی شاعری کی شعبدہ بازیاں ہیں ۔ ان میں عربی میں شعر کہنے کا ہنر بھی موجود ہے ان کی زنبیل میں دوسری قدیم زبانوں کے الفاظ کا ذخیرہ بھی وافر مقدار میں موجود ہے ۔ اور ادب و فن کے ان مظاہر کا اسلوب خالصتہً ان کا انفرادی اور ذاتی ہے ۔ ان کے جذبوں اور آہنگ میں ایک خوب صورت تال میل ہے اور یہ شاعری کی ہائی ٹیکنیک کی ایک عملی صورت ہے ۔ اور یہ سب اُن کی فنی تخلیقات کے طلسم ہیں ۔

ے اے نکو منظر نہ کر خالد سے یوں صرفِ نظر
قطب الاقطابِ ولایاتِ سخن ہے یہ ملنگ

خالد بزمی

خالد کی نعت نگاری

عبدالعزیز خالدؔ ایک ہمہ گیر قسم کے شاعر ہیں۔ ان کی شاعری کے کئی رُخ ہیں۔ نعت گوئی ان کی شاعری کا ایک پہلو ہے۔ لیکن یہ پہلو اس قدر زیادہ نمایاں، قابلِ ذکر بلکہ شایانِ احترام ہے کہ اگر میں یہ کہوں کہ عبدالعزیز خالدؔ کو بلند مقام پر فائز کرنے میں ان کی نعت گوئی کا حصّہ سب سے زیادہ ہے تو یہ مبالغہ نہ ہوگا۔ جہاں تک میرے مطالعے کا تعلق ہے، عبدالعزیز خالدؔ میرے سامنے سب سے پہلے ایک نعت گو شاعر ہی کے طور پر آئے ہیں۔

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ جب خالدؔ کی طویل ترین نعتیہ نظم "فارقلیط" چھپ کر سامنے آئی ہے تو اس وقت تک آج کے کئی قابلِ ذکر نعت گو شاعر اور ان میں سے بعض کے نعتیہ مجموعے منظرِ عام پر نہیں آئے تھے۔

عبدالعزیز خالدؔ کی نعت گوئی کا موضوع خاصا تفصیل طلب ہے، اس لئے میں ان کی شخصیت کے دیگر پہلوؤں سے قطع نظر کر کے براہِ راست ان کی شاعری کے اس پہلو پر توجہ مرکوز کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔

نعت گوئی کے سلسلے میں اب تک عبدالعزیز خالدؔ کی جو کتابیں چھپ کر سامنے آچکی ہیں، ان میں "فارقلیط" کے علاوہ منحمنّا۔ حمطایا، ماذ ماذ طاب طاب اور عبدہٗ ہیں۔ اُن کے جو مجموعے ہمارے سامنے ہیں، وہ اس موضوع پر بات کرنے کے لئے نہ صرف کافی بلکہ بہت کافی ہیں۔

عبدالعزیز خالدؔ کا مجموعہ "فارقلیط" سات کتابوں (یا ابواب) پر مشتمل ہے۔ ان کتابوں یا ابواب کو انہوں نے "ہفت ہیکل" کا نام دیا ہے۔

"فارقلیط" ایک ہی ردیف اور قوافی میں ڈیڑھ ہزار اشعار پر مشتمل ایک طویل بلکہ طویل ترین نعتیہ نظم ہے۔ میں اسے نعت گوئی میں خالدؔ کا شاہکار کہوں گا۔ یہ کتاب پڑھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ خالدؔ کا مطالعہ اردو کے علاوہ عربی، فارسی، ہندی وغیرہ میں بھی غیر محدود ہے۔ یہ کتاب مجموعی طور پر ان کی قدرتِ کلام کا بہت بڑا ثبوت ہے۔ "فارقلیط" کا آغاز اس شعر سے ہوتا ہے:

میں فرشِ زمیں ہوں تو سقفِ سما ہے ۔۔۔ میں سانسوں کا دھماں، تو موجِ ہوا ہے

اس شعر میں لفظ "تو" سے مراد حضورِ اعلیٰ مرتبت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم ہیں۔

خالدؔ کی شاعری پر دیگر اعتراضات کے علاوہ ایک اعتراض یہ بھی ہے کہ ان کی شاعری میں سلاست، روانی اور عام فہمی کی کمی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ بات مفہومِ شعر کے ابلاغ میں حائل ہوتی ہے۔

"فارقلیط" کے مطالعے کے دوران میں مجھے جو اشعار مذکورہ اعتراض سے بہت حد تک پاک نظر آئے اور میرے خیال کے مطابق جن میں ابلاغ کا مسئلہ حائل نہیں ہے، وہ ذرا سی کوشش سے تلاش ہو سکتے ہیں۔ میں اس کوشش میں کہاں تک کامیاب ہو سکا ہوں، اس کا اندازہ فارقلیط کے اس انتخاب سے ہو سکے گا۔ میں ان اشعار پر اپنی طرف سے کسی قسم کا اظہارِ رائے نہیں کروں گا۔ میں سمجھتا ہوں کہ باذوق قارئین کوئی شعر پڑھ کر یا سن کر اس کی ہر خوبی کا مکمل اندازہ سو فیصد حالات میں خود کر سکتے ہیں۔ بہر حال "فارقلیط" سے میرے پسندیدہ اشعار ملاحظہ ہوں۔ ان کے بارے میں میرا یہ بھی خیال ہے کہ ایسے اشعار کو کسی افہام یا وضاحت کی ضرورت نہیں ہوتی۔ غالباً ان میں سے ہر شعر اپنی وضاحت خود کر رہا ہے؟

ترا چہرہ، مصحف کا زرکار ورقہ — تو قرآنِ ناطق نہیں ہے تو کیا ہے؟
ادیب آ کے طرزِ بیاں تجھ سے سیکھیں — تو شہرِ سخن، شہریارِ نوا ہے
وقارِ سکوت اور حسنِ تکلم! — تجھے دینے والے نے کیا کیا دیا ہے
ہمہ آیۂ نور و خلقِ مجسّم — تو محبوبِ یزدان و نورِ ہدیٰ ہے
تو مطلوب و طالب، تو مصدوق و صادق — شفاعت کے منصب پہ فائز ہوا ہے
کتابِ مفصّل ہوئی تجھ پہ نازل! — تو منزل شناس و طریق آشنا ہے
شرف میں ہے بدر اور نزہت میں غنچہ — کرم میں سمندر ہے، ظلِّ خدا ہے
تعاقب کرے رہروِ حق کا منزل — جہاں مقتدی اور تو مقتدا ہے
تو حاشر بھی، عاقب بھی، شاہِ زمن بھی — ترے گرد سارا جہاں گھومتا ہے
اٹھایا ہے طاقت سے بارِ نبوّت — نگاہوں نے دیکھا اُحد کانپتا ہے
ہے لرزہ براندام ایوانِ کسریٰ! — خرابات میں خوف سے تہلکہ ہے
پلٹ آئے خورشید، شقِ قمر ہو — مگر یہ تو ادنیٰ ترین معجزہ ہے
زمیں کے خزانے تجھے اُس نے سونپے — خدا کے عطیّے کو تو بانٹتا ہے
تو فقر و قناعت کا روشن منارہ — جواہر فشاں ہے، خزائن کُشا ہے
تو دِل جوئی و غم گساری کا پیکر — تو خیر البشرؐ، اشرف الانبیا ہے
تری زندگی انکسار و تواضع — تو ایثار و شفقت ہے، مہر و وفا ہے
طبیعت میں دِل سوزی و دل نوازی — تو دِل گیر کے دردِ دل کی دوا ہے
شعاعوں سے جس کی منوّر ہے عالم — جو مصداقِ نورٌ علیٰ نور کا ہے
کسے حوصلہ اس کے وصف و ثنا کا — جو فخرِ رُسل ہے، حبیبِ خُدا ہے
تو کانوں کے رستے سے سینے میں اُترا — ترا ذکر جاں پرور و دِل کُشا ہے
ہے ظلمت کدے میں چراغاں کا عالم — ضیا پاش خورشید طالع ہوا ہے
تو کرتا ہے تکریم و توقیرِ مہماں — تو بیکس و نادار کا آسرا ہے
رہِ حق میں رہتا ہے پیہم تو ساعی — حقوقِ قرابت کو پہچانتا ہے

"قارِ قلیط" کی مختلف کتابوں میں متعدد جگہوں پہ شاعر کے قلم سے "عرضِ حال" سے بھی متعلق اشعار ہیں۔ اس سلسلے میں ساتویں کتاب کے آخر میں یہ اشعار خصوصاً قابلِ توجہ ہیں:

ترے آستاں پہ نگاہیں جھکائے — کوئی بندۂ بے دل و بے نوا ہے
پریشان و محزون و خاموش و حیراں — یہ لاریب سوزِ دروں کی عطا ہے

وہ دیوانہ قرآن و شعر و بیاں کا　　جو نعت کہہ کر بہ اظہار میں مبتلا ہے
اُسے شوق ہے عِلم لوح و قلم کا　　سخن در بہ لوح و قلم مانگتا ہے
صبا گدگداتی ہے جب تک گلوں کو　　مہ و مہر و انجم میں جب تک ضیا ہے
تری رحمت اس کی کرے دست گیری　　دلِ خالدؔ آماج رنج و بلا ہے
کہاں نعت و نامِ رسولؐ تہامی　　کہاں وہ زباں جو کہ لکنت زدہ ہے
پیغمبرؐ کہے "اِنِّیْ لَسْتُ بِشَاعِرٍ"　　کہ یہ مرتبہ میرے مملوک کا ہے

اس شعر کے بعد "فارقلیط" کا آخری شعر پہلے نسخے کے مطابق یہ تھا: ؎

وہ مملوک کہتا ہوں میں جس کو خالدؔ　　جو جاہل ہے، بے باک ہے، باولا ہے

بعد کے نسخے میں یہ شعر اب یوں ہے: ؎

وہ مملوک کہتا ہوں میں جس کو خالدؔ　　جو سلطانِ اقلیم حرف و نوا ہے

آخری شعر میں یہ ردّ و بدل بہتر ہے۔ واقعتاً خالدؔ جاہل یا باولے نہیں ہیں۔ یہ محض ان کا انکسار تھا۔ میری نظر میں "سلطانِ اقلیم حرف و نوا" تعلّی نہیں، ایک حقیقت ہے۔

"منحمنّا" بھی خالدؔ کی ایک طویل ترین نعتیہ نظم ہے، جو ایک ہی ردیف اور قوافی میں کہی گئی ہے۔ یہ نظم بھی خالدؔ کی قدرتِ کلام کا ایک بہت بڑا ثبوت ہے۔ میری نظر میں یہ خالدؔ کا دوسرا بڑا شاہکار ہے۔ اس کے اشعار کی تعداد پانچ سو سے زائد ہے۔ مجھے ان میں سے جو اشعار نسبتاً زیادہ پسند آئے، وہ بلا تبصرہ یہ ہیں: ؎

مُطاعِ آدم و انجم، متاعِ لوح و قلم　　محمّدِ اُمّی محبوبِ کبریا صلعم

(مجھے اس لفظ "صلعم" سے ہمیشہ ا[illegible]ت رہا ہے، کیونکہ یہ کوئی بامعنی لفظ ہی نہیں، نہ جانے خالدؔ اس کے استعمال پر مصر کیوں ہیں؟)

محمدؐ انجمنِ کن فکاں کا صدر نشین　　محمدؐ افسرِ آفاق و سرورِ عالم
وہ عَبدُہٗ وَ رسُولُہٗ، وہ اِسْمُہٗ احمدؐ　　کتاب و حکم و نبوّت کا خاتِم و خاتَم
محمود و حامد و احمد، محمّد و ممدود　　کریم و میرِ کرام و مکرّم و اکرم
جمیل و اجمل و کامل، مکمّل و اکمل　　ستم زدہ بشریّت کا محسنِ اعظم
وہ جس کا بیضوی چہرہ ہے چاند کا ٹکڑا　　وجیہ و خوش دل و بیدار مغز و تازہ دم
اسی کو صاحبِ خلقِ عظیم کہتے ہیں　　وہی ہے نوعِ بشر کا معلّمِ اعظم
یتیمِ وادیٔ بطحا ہوا عزیزِ جہاں　　عرب کی شمع بنی مہرِ نیم روزِ عجم
یہاں کی ریت ہے سونا، یہاں کی خاک عبیر　　حریمِ گنبدِ خضرا ہے، ہم قرانِ حرم
درود بر نبیٔ آخر الزماں کہ جو ہے　　سلیم و صاحبِ تسلیم و سالم و اسلم
رسولِ شاہد و مشہود و حاضر و غائب　　نشانِ راہِ ہدایت ہیں جس کے نقشِ قدم

جہانِ صبر و رضا، آسمانِ توکّل کا   ہے جس کے آگے دوتا، سطوتِ سکندر و جم
جسے ہر اک نے کہا "اَلامین وَالصّادق"   بہ بزم و رزم، عظیم و معظّم و اعظم
ہے جس کی ذاتِ مطہّر خمیر مایۂ کون   ہیں جس پہ آئینہ اسرارِ مخفی و مبہم
پکارتا ہے پیاپے : اَنَا رَسُولُ اللہ   خیالِ سُود و زیاں ہے نہ فکرِ مدحت و ذم
وہ کانِ حکمت و ادراک و فہم و استبصار   مزاجِ کفر ہے جس سے منغّض و برہم
غرور توڑے جو بدمست قہرمانوں کا   نہ ہو مفاد و مصالح کے سامنے کبھی خم
وہی ہے کاشفِ رازِ نہانِ یزدانی   امینِ سِرِّ سراپردۂ وجود و عدم
کیا مشاہدۂ شاہدِ جلیل و جمیل   پڑی نہ پڑ سکے جس پہ نگاہِ نامحرم
وہی جو مقصد و مقصودِ آفرینش ہے   کھنچا ہے جس کے لئے یہ مرقّعِ عالم
جو بے کسوں کا ہے ملجا و مامن و ماویٰ   جو بے دلوں کا ہے ہمدم و ہمدل و ہمدم
جو مکّی و مدنی، ہر وطن کا ہے وطنی   حکیم و حاملِ احکام و حاکم و احکم
اٹھائے ہاتھ دُعا کو اسی کی خاطر جب   رکھی خلیلِ براہیمؑ نے بنائے حرم
ہے بے ستونِ سماوات کا ستون وہی   نشانِ راہ اسی کے منارِ ارضِ حرم
خدائے قادر و قدّوس کے تصوّر سے   کرے دلِ متزلزل کو ثابت و محکم
محمدؐ عربی آبروئے ہر دو سرا   حبیبِ پاک فدا، جانِ عالم و آدمؑ

منحمنّا کے آخری تین اشعار یہ ہیں، جو ایک نہایت پیاری دُعا پر مشتمل ہیں :

امامِ متّقیاں یا خدا ! بنا ہم کو   دل و زباں بھریں تیرا ہی دم ہے جب تک دم
ہے اعتبار پہ دار و مدارِ کارِ جہاں   یہی ہے فخر، غلامانِ شہریارؐ ہیں ہم
یہی دُعا ہے الٰہی ! بنامِ پاکِ نبیؐ   دیارِ پاک رہے دائماً خوش و خرّم

عبدالعزیز خالدؔ کی نعت گوئی کے سلسلے میں ان کی تیسری کتاب "حمطایا" ہے۔ یہ لفظ قاضی عیاض اندلسی کی صراحت کے مطابق پرانی الہامی کتابوں کے مطابق حضورِ اکرم صَلّی اللہُ عَلَیہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کے اسمائے گرامی میں سے ایک ہے۔

عبدالعزیز خالدؔ نے حمطایا کی تشریح کے سلسلے میں یہ ایک شعر اور مختلف مصرعے لکھے ہیں :

کام جس کا ہے امر بالمعروف   دے جو انساں کو خیر و شر کا وقوف
مصرعہ : حرام کام سے انساں کو روکنے والا   مصرعہ : جو ٹوکے ارتکابِ معصیت سے
مصرعہ : بدی سے جو اولادِ آدمؑ کو روکے   مصرعہ : جو ہو مانع حرام کاموں سے
مصرعہ : کرے تلقینِ مکارم جو بنی آدمؑ کو

یہ کتاب طویل و مختصر ۲۷ نعمتوں کا مجموعہ ہے۔ ان میں سے بعض نعمتیں مجھے خالد کی زبان سے مختلف مشاعروں میں سننے کا بھی موقع ملا ہے۔ ان نعمتوں میں بعض اشعار لفظی اور معنوی دونوں اعتبار سے نہایت دلکش ہیں۔ ان نعمتوں میں سے مجھے پہلی نظر میں جو اشعار زیادہ پسند آئے، ان کی فہرست طویل ہے۔ بہرحال میں انتخاب کے نقطۂ نظر سے ایسے اشعار یہاں درج کر رہا ہوں، ان کی خوبیوں کا اندازہ خود بخود ہو جائے گا:۔

مل کے کرتے ہیں ثنا جس کی ستارے صبح کے — آخرِ شب مجھ کو بھی یارب! جھلک اس کی دکھا
انفس و آفاق جس کے نور سے ہیں مستنیر — کہکشاں اک نقشِ پا جس صاحبِ معراج کا
کون ہو اس کی نگاہِ کارفرما کا حریف — وحیِ ناطق کی ستائش کا ہو کیونکر حق ادا
ہر طرف جلوہ ہے تیرا، ہر طرف تیرا ظہور — اسمِ اعظم ہے ترا اسم، اے امامِ انبیاؑ
کس سے نسبت دوں تجھے کس سے تجھے تشبیہ دوں — اے کبیرِ کبریا! اے رحمتِ ہر دوسرا

اسی کی موجِ تبسم بہارِ لالہ و گل — اسی کا طرزِ تکلم نوائے مرغِ چمن
وہی ہے رُوحِ زمانہ! وہی ہے جانِ جہاں — نہ جس کا کوئی قبیلہ، نہ جس کا کوئی وطن
ہے جو نوید مسیحؑ و دعائے ابراہیمؑ — ہے جس کے طورِ تجلّی کی سوج ایک کرن
ہجومِ فتنہ ہراساں نہ کر سکے جس کو — نہ آئے تنگیِ دل سے جبیں پہ جس کی شکن
کیا اسی نے شناسائے رازِ مرگ مجھے — اسی نے مجھ کو سکھایا ہے زندہ رہنے کا فن
کلیمِ وادیِ ایمن اسی کا جویا تھا — اسی کی خالدِ عبدالعزیز کو ہے لگن

نکالا تُو نے میری جان کو پاتال کی تہ سے — ہے نسلاً بعد نسلٍ تیرا احساں یا رسُولؐ اللہ
جو مجھ کو زندگی دی ہے، تو اب پائندگی بھی دے — ترا ہر لفظ ہے تقدیرِ یزداں یا رسُولؐ اللہ
تُو خورشیدِ سحر، تُو بدرِ کامل، ہر ادا تیری — نگاریں، مشک آگیں، عنبر افشاں یا رسُولؐ اللہ
ہے تیری خاکِ در کُحلِ جواہر سے کہیں بڑھ کر — ترے دریوزہ گر ہیں میر و سُلطاں یا رسُولؐ اللہ

اُسی کی ضو سے ہے ظلماتِ کُن فکاں روشن — اُسی کی لو سے ہے سینہ کرن کرن میرا
اُسی کے پاس گرو ہے مرا دلِ بے قید — اُسی کی یاد میں رہتا ہے مَن مگن میرا

مولینا قدسیؒ کی وہ نعت انتہائی مشہور و مقبول ہے جس کا مطلع یہ ہے:۔

مرحبا سیّدِ مکی، مدنی العربی! — دل و جاں باد فدایت، چہ عجب خوش لقبی!

اس نعت کی حد درجہ مقبولیت کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ متعدد شعرائے کرام نے اُردو اور فارسی میں اس نعت کی تضمینیں لکھی ہیں۔

عبدالعزیز خالد نے بھی اس نعت کی خوبصورت تضمین لکھی ہے۔ میں یہاں دو بند پیش کر رہا ہوں۔ خالد کو عام طور پہ پیرایۂ اظہار بیان کے سلسلے میں اکثر نامانوس الفاظ کے استعمال کے باعث ایک خشک شاعر سمجھا جاتا ہے۔ اس کے باوجود کبھی کبھی ان کے یہاں خوبصورت الفاظ اور بعض مثالوں میں لطفِ قوافی بھی مل جاتا ہے۔ مذکورہ دو بند ملاحظہ ہوں۔ ان میں یہ بات موجود ہے: ؎

رقِ منشور بھی تو، تو ہی کتابِ مسطور — تیری بعثت سے تھی تکمیلِ مکارم منظور
تو نے دنیا کو کیا ذکر و بیاں سے معمور — اور زندانیِ ظلمت کو دیا تحفۂ نور
"ذاتِ پاک تو چہ در ملکِ عرب کرد ظہور — زاں سبب آمدہ قرآں بزبانِ عربی"
تیرے کوچے میں فرشتوں کا طلایہ گرد گشت — تارے وارے ترے سر سے فلکِ زریں طشت
رشکِ فردوسِ بریں موجِ نفس سے در و دشت — نقشِ پا ثبت سرِ کنگرۂ طارمِ ہشت
"شبِ معراج عروجِ تو ز افلاک گزشت — بمقامے کہ رسیدی نہ رسید ہیچ نبیؑ"

خالد کی ایک نعت میں سلاست و روانی کی مثالیں نسبتاً زیادہ مل جاتی ہیں، بعض منتخب اشعار پیش ہیں: ؎

ابد تک سلطنت تیری رہے گی — تو سلطانِ سماوات و زمیں ہے
ترا نطق و بیاں الہام و عرفاں — زباں گلبارِ آیاتِ مبیں ہے
ہے تو ہی سیدِؐ اولادِ آدمؑ — تری اُمت اُمم میں بہتریں ہے
اندھیرے کو کیا تو نے منور — تو صبر آموزِ دلہائے حزیں ہے
ہے تو ہر بے سر و ساماں کا محرم — تو خویشِ ہر گدائے رہ نشیں ہے
ترے اوصاف ہیں اظہر من الشمس — تو صادق ہے، مصدق ہے، امیں ہے
ترا سینہ ہے تابوتِ سکینہ — تری ہر بات دلکش ہے، حسیں ہے
ترے منہ کی ہیں سب باتیں صداقت — تو علم و حلم کا حصنِ حصیں ہے
ہے تجھ سے بڑھ کے پابندِ زباں کون؟ — ترا ہر قول فیصل دل نشیں ہے
ہوا اس سے بڑھ کے کیا اقبال مندی — ترا مناد جبریلؑ امیں ہے
ازل سے جو خدا ہے لوحِ دل پر — وہ تیرے نام کا نقشِ نگیں ہے
مری اُمید تو ہے، آرزو تو! — یہ دل تیرے لئے اندوہگیں ہے

عبدالعزیز خالد کے نعتیہ مجموعوں میں سے چوتھا مجموعہ "ماذا ماذ" ہے۔ عربی کی مشہور لغت لسان العرب کے مطابق اس کا مطلب خوش خلق اور پاکیزہ خصلت ہے۔ اس مجموعے میں "حمطایا" کی طرح طویل اور مختصر نعتیں شامل ہیں۔ جن کی تعداد ۲۲ ہے۔ حسنِ اتفاق سے مجھے مختلف محفلوں میں اس مجموعے کی بھی بعض نعتیں کتابی صورت میں آنے سے پہلے خالد صاحب کی زبان سے سننے کا موقعہ ملا ہے اور ان میں سے بعض نعتوں نے مجھے خاص طور پہ متاثر کیا ہے۔ اس مجموعے میں بھی میرے پسندیدہ اشعار کی فہرست طویل ہے۔ ہر شخص کی پسند اور انتخاب کا معیار مختلف پہلوؤں سے الگ ہوتا ہے۔ مجھے عام طور پہ وہ شعر زیادہ پسند آتے ہیں، جو اپنی سلاست، روانی، آسانی اور سادگی کے باعث ابلاغ

سے متبادر سے واضح ہوں۔ اس بات میں غالباً یہ پہلو بھی ظاہر ہے کہ اس شعر میں جو کچھ کہا گیا ہو، وہ موضوع کے مطابق کسی قابلِ ذکر اور لائقِ توجہ مفہوم کا حامل ہو۔ اشعار کی مثالیں غالباً میری بات واضح کر دیں گی :

کرے ہر روحِ عصر اس کو سلام — لے کے آیا جو عدل و حق کا پیام
وہ نقیبِ اخوتِ انساں — جس نے کی دولتِ محبت عام
جس کا روئے سخن ہے سب کی طرف — دے ہر اک کو جو دعوتِ اسلام
عبدہٗ ہے رسولہٗ ہے کبھی — کوئی سمجھا نہ سمجھے اس کا مقام
اس نے دنیا کو جو نظام دیا — ہے مثال وہ بے مثال نظام
اس کی ہر بات ہے برائے خدا — اس کی ہر سوچ ہے برائے عوام
وہ کہ آئینہ سر بسر اس پر — عالمِ آب و خاک کا انجام
اجتماعی مفاد کی خاطر — اس کا ہر کام، اس کا ہر اقدام
کرۂ ارض کے مکینوں پر — پاک پروردگار کا انعام

ہر مصحفِ ماضی میں حوالہ ترا موجود — مذکور ترا حال کی ہر زندہ زباں میں

حرفِ ناطق و زندہ کا حامل — ہری منزل، وہ میرا خضرِ منزل
سمندر جود و احسان و کرم کا — نہ تہ جس کی، نہ جس کا کوئی ساحل
زمانے بھر میں اس کا سکّہ رائج — بظاہر دیکھنے میں بے وسائل

اے خزانہ دارِ علم اوّلین و آخریں — اہلِ خرمن کو بھی دیکھا ہم نے تیرا خوشہ چیں
منتظر تھے جس نبیؐ نعتے کے مشتاقِ نوا — ہم زباں تیرا بنا اس کے لیے روح الامینؑ
مجھ تہی مایہ کا سرمایہ ہے تو اے عبدہٗ — تیرے ہونے سے ہے مجھ کو اپنے ہونے کا یقیں
ساکنانِ ارضِ طیبہ پہ تحیات و سلام — برجوں والے آسماں سے بھی ہے اونچی یہ زمیں

روئے زمیں پہ پرتوِ نورِ خدا ہے تو — قدموں پہ چلنے والوں میں سب سے بڑا ہے تو
میرِ اُمم، امامِ رُسل، ہادیِ سُبل — شاہِ دو کون و سرورِ ہر دو سرا ہے تو
ممکن کہاں بیاں تری ذات و صفات کا — بے حد و بے نہایت و بے انتہا ہے تو

ظلم و ستم کی تیرہ و تاریک رات میں — روشن کی اس نے مشعلِ تہذیب و آگہی

جس کو نہیں ہے اس سے ارادت وہ بے نصیب — محروم ہے جو اس کی محبت سے وہ شقی!

کلیم و مسیحا بتشر ترے — یہ اکرام، یہ شان، یہ احتشام
کوئی ہو سکے تا قیامت ترا — نہ نائب مناب اور نہ قائم مقام
دمِ زندگی تیری موجِ نفس — ترا نقشِ پا ہے نشانِ دوام
زیارت گہِ دہر مرقد ترا — ترا گنبد امید گاہِ انام
ترے تذکرے ہیں جہاں در جہاں — ثنا خواں ہیں تیرے خواص و عوام
نہیں مدحِ مادح کا محتاج تو — ستائش سے بالا ہے تیرا مقام
نہیں مجھ کو دعویٰ کسی طرح کا — میں چاکر ہوں تیرا، میں تیرا غلام

روشن اس کے عکسِ رُخ سے میرا فانوسِ خیال — نسبت اس کے نام سے میرے تشخص کا نشاں

یہ عرش و فرش اُسی کے، اسی کے لوح و قلم — اُسی کے نور کی ہے طاق طاق جلوہ گری

کس میں طاقت جو کرے تیری ثنا — یا رسولؐ اللہ، یا خیر الوریٰؐ!
اہلِ گردوں نے کیا سجدہ جسے — صُلبِ آدمؑ میں وہ تیرا نور تھا
ساری خلقت تیرے پیچھے چل پڑی — جب لوائے حمد لے کر تو اُٹھا

مہبطِ وحی، معدنِ حکمت — فکر کی منزلوں کا رہنما

وہ قریشی جو بنی سعد کے خیموں میں پلا — سلسلہ جس سے زمانے میں سیادت کا چلا

جس کے ہاتھوں پہ مسلماں ہوا اس کا شیطاں — بوجھ قوموں کا وہ کاندھوں پہ اٹھانے والا
جس کا سامانِ سفر بے سر و سامانی ہے — جس کو للچا نہ سکا مال و متاعِ دنیا
شدتِ جوع سے جو پیٹ پہ پتھر باندھے — جس کے در سے کوئی سائل نہ تہی دست گیا

کون دارین میں ہے تجھ سے اعزّ و اقرب؟ — کون کونین میں ہے تجھ سے اجلّ و اعلیٰ؟

حضرتِ قدس ہیں بار اس کے سوا کس کو مِلا
جا سکا واں تو نہ جبریلؑ امیں بھی ہمراہ

ہوا آفاق میں کس کا یہ نزولِ اجلال
بُت صنم خانوں میں لرزاں ہیں مثالِ پرِ کاہ

آتشِ فارس بجھی جو کہ بجھی تھی نہ کبھی
گر پڑے کنگرے کسریٰ کے محل کے ناگاہ

بے نواؤں کے لیے دامنِ رحمت کے سوا
نہ کوئی کنجِ اماں ہے، نہ کوئی جائے پناہ

اس کو بوجہلوں کی تصدیق کی حاجت کیا ہے
جس کی سچائی کی ذاتِ احدیّت ہو گواہ

اس کے اقوالِ مبیں، اس کے منوّر کلمے
ہیں ستاروں کی طرح میرے لیے خضرِ راہ

''ماذا'' کی تین نعتیں مجھے اپنی زمینوں (بحور و قوافی وغیرہ) کے اعتبار سے خاص طور پر اثر انگیز اور دلکش محسوس ہوتی ہیں۔ ان تینوں نعتوں میں میرے پسندیدہ اشعار یہ ہیں :—

اس دل رُبا کے نام میں کتنی مٹھاس ہے
بعدِ خدا جو درخورِ حمد و سپاس ہے

اس جامعِ صفات کا کیا کیجئے بیاں
امّی ہے وہ اگرچہ پہ معنی شناس ہے

اسرار کا یہ علم ہے، تکرار کا نہیں
ہر بات اُس حکیم کی محکم اساس ہے

صُورِ قیامت اس کو شکستِ صدائے دل
مجبوریٔ بشر کا اُسے کتنا پاس ہے

اس کا کلام ہے مری راہوں کی روشنی
روزِ قیامت اس کی شفاعت کی آس ہے

کتنے شیریں ہیں مرے حلق میں اس کے اقوال
وحی کے ساتھ ہوا ان کا بھی اوپر سے نزول

نہ لکھی اس نے عبارت، نہ پڑھی اس نے کتاب
لیکن از بر یہ اُسے ہر علم کے ابواب و فصول

لوحِ محفوظ پہ ہے اسمِ مبارک منقوش
گم اس اعجاز پہ ہیں ورطۂ حیرت میں عقول

اس کے دَر سے کوئی سائل نہ گیا خالی ہاتھ
تہی دستی میں بھی داد و دہش اس کا معمول

عمر بھر کام نبوّت کا سرانجام دیا
لیکن اَجر اس کا کسی سے نہ لیا اس نے قبول

طاقچے دیدہ و دل کے ہیں فروزاں اس سے
اس کو پہچانے بنا کچھ نہیں جینے سے حصول

اس کا دَرِ رحمت وطنِ بے وطناں ہے
یہ ملک ہے وہ جس کی نہیں ہے کوئی سرحد

یوں ہی دکھی انساں کو وجود اس کا کہ جیسے
تپتے ہوئے میداں میں خنک سایۂ برگد

یوں درسِ خدا بندگی و خود نگری سے
آدمؑ کا بلند اس نے کیا مرتبہ و قد

تھے چشم براہ اس کے سبھی صبحِ ازل سے
آیا جو رسولؐ اس نے دیا مژدۂ آمد

وہ سیّد و مولائے ہمہ کون و مکاں ہے
اوصاف و کرامات و کمالات میں مفرد

کہتے ہیں امام اس کو بنی نوعِ بشر کا
درکار شہادت ہے اگر میری تو اَشْہَدُ

جچتا نہیں نظروں میں کوئی اس کے مقابل　　وہ رہبرِ اسعد، وہ مرا مرشدِ ارشد

عبدالعزیز خالد کی نعتوں میں سے بعض اشعار کو میرے نزدیک "نشتروں" کا درجہ حاصل ہے۔ ایسے اشعار کی تعریف میں اور کیا کہا جائے اشعار ملاحظہ ہوں :

"فارقلیط" کے ایک شعر میں خالد نے کہا ہے : ؎

ہے عقدِ ثریا دُرِ تاج تیرا　　ترا دل بیاضِ کلامِ خدا ہے

ثریا آسمان کا سب سے اُونچا ستارہ ہے۔ اس کے ہار یا مالا کو حضورِ اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تاج کا موتی قرار دینا اپنی جگہ ایک حسین و خوبصورت تشبیہ ہے۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دل کو خدا کے کلام کی بیاض کہنا ایک ایسی نادر و نایاب مثال ہے، جس کے حسن و ندرت کا اندازہ ایک باذوق اور سخن فہم ہی زیادہ کر سکتا ہے۔

"فارقلیط" کے اس شعر نے بھی مجھے خاص طور پر متاثر کیا ہے : ؎

کہاں ہو سکے تیری مدحت سرائی　　ثریا کو دستِ بشر نے چھُوا ہے ؟

اس شعر میں خالد کہتے ہیں کہ جس طرح کسی انسان کا ہاتھ ثریا تک نہیں پہنچ سکتا، اسی طرح کسی انسان کے قلم یا زبان سے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعریف اور توصیف بھی ممکن نہیں۔ اس حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے۔ یہ وہی بات ہے، جو غالب نے بالفاظِ دیگر اس طرح کہہ دی تھی کہ : ؎

غالبِ ثنائے خواجہ بہ یزداں گزاشتیم　　کاں ذاتِ پاک مرتبہ دانِ محمدؐ است

"حمطایا" کی ایک نعت کے یہ دو شعر بھی معنوی اور لفظی دونوں خوبیوں کا شاہکار ہیں : ؎

وہ از اوّل معانی در معانی　　وہ تا آخر فضائل در فضائل

ازل آزاں سے میرِ مجالس　　ابد آباد تک صدرِ محافل

"حمطایا" ہی کی ایک نعت کے اس شعر نے بھی مجھے خاص طور پر متاثر کیا ہے : ؎

ہم راہی فنا ہیں گزرگاہِ زیست میں　　دشتِ اجل میں چشمۂ آبِ بقا ہے تُو

اس میں کس باشعور اور صاحبِ فہم کو کوئی شک ہوگا کہ زندگی کی گزرگاہ میں ہم سب فنا کے راہی ہیں اور زندگی کی یہ گذرگاہ بالفاظِ دیگر موت کا جنگل ہے۔ جس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ مبارکہ آبِ حیات کے چشمے کی مثال ہے۔

"حمطایا" کا ایک شعر میرے ذوق کے مطابق اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے : ؎

جس کے چہرے سے ہو ہر رات نیا چاند طلوع　　ظلم و ظلمت کا وہ ہر نقش مٹانے والا

شعر اپنی وضاحت خود کر رہا ہے۔ غالباً اس سلسلے میں مزید کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ اسی قسم کے عمدہ اشعار میرے مطالعے اور اندازے کے مطابق "ماذا ماذ" میں شاید زیادہ ہیں۔ مختلف مثالیں ایک ہی جگہ بلا تبصرہ درج ہیں : ؎

کس سے ہو اس کے مقامات و محاسن کا شمار　　آج تک کس نے کیا بارش کے قطروں کا حساب

جس طرح قندیلِ نورانی معلق عرش سے — ہے شبِ ہستی میں یونہی بدرِ بطحا ضو فشاں

جز دآ بھی تو بخشا یدِ صانع نے کسی کو — وہ رنگ نہ وہ رُوپ، نہ وہ خال نہ وہ خد
یونہی دل گیتی میں دھڑکتا ہے وہ جیسے — ہو سینۂ انساں میں نفس کی شُد و آمد
بدلوں نہ میں فردوس سے اے خاکِ مدینہ — یہ شہر، یہ ماحول، یہ مینار، یہ گنبد

خالدؔ کی نعتیہ شاعری کے اس مختصر سے جائزے سے شاید اس بات کا اندازہ مشکل نہیں کہ ان کی نعت گوئی کا دائرہ بہت کشادہ ہے۔ بلا مبالغہ انہوں نے نعت کو بے شمار نئے الفاظ و معانی دیئے ہیں۔

فارقلیط، منحمنّا، حمطایا، ماذ ماذ، طاب طاب وغیرہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایسے اسمائے مبارکہ ہیں، جو یقیناً خالدؔ کی ان کوششوں سے پہلے بہت سے ذہنوں میں موجود نہیں تھے۔ خالدؔ نے اپنے بے پناہ مطالعے سے اپنے قارئین کو بہت زیادہ علمی و ادبی فائدہ پہنچایا ہے۔

مَیں آخر میں ایسے اشعار کی طرف توجّہ دلانا چاہتا ہوں جن سے خالدؔ کی نعت گوئی کے بارے میں بعض ضروری پہلو سامنے آتے ہیں۔ مثلاً وہ کہتے ہیں :؎

اس طرح محوِ تکلّم مجھ سے ہوتا ہے سروشؔ — آشنا سے گفتگو کرتا ہے جیسے آشنا!

اس شعر سے شاعری کے فرشتے سروشؔ کے ساتھ خالدؔ کی "بے تکلفی" ظاہر ہے۔ اس سلسلے کے باقی اشعار سے بھی اِس طرح کی مفید، دلچسپ اور معلوماتی باتیں معلوم ہو سکتی ہیں۔ غور فرمایئے :؎

مہ و ستارہ کریں جس کے نام کی سمرن — اُسی کے دَم سے فروزاں ہے میری شمعِ سخن

کرم نے تیرے بخشا حوصلہ عرضِ تمنّا کا — وگرنہ میں کہاں کا ہوں سخنداں یا رسُولؐ اللہ

جنبشِ لَب کی نہیں محتاج رُوحوں کی زباں — میں کلام اس سے کروں بے ترجمان و واسطہ

میں مشتِ خاک ہوں مرنا میرا مقدّر ہے — دُعا ہے زندہ رہے حشر تک سخن میرا
حریفِ نعتِ پیمبرؐ نہ ہو سکے کوئی — وفورِ عجز سے ہے سر بہ سجدہ فن تیرا

ہے مری موجِ نفس بھی نفخۂ رُوح القدس — کیوں نہ ہو بوصیریؒ و حسّانؓ کا ہوں ہم زباں

خدا اور اس کے فرشتے سلام بھیجیں جسے — ہے اس کی مدح کا دعویٰ صریح بے ادبی

حوصلہ کس میں ہے اس بات کا، کر سکتا ہے　　کون مداحِ ممدوحِ خدا خاطر خواہ

کس میں طاقت جو کرے تیری ثنا　　یا رسول اللہ، یا خیر الوریٰ !

رستم کی طرح طے کروں حرفوں کے ہفت خواں　　میرے لئے جہاد ہے کارِ سخن وری

میں اور میرے فکر و بیاں کی بساط کیا　　اُس کا کرم ہے اس نے اجازت ثنا کی دی

مشکوٰۃِ نبوت کا ہوں پروانہ مروں تو　　ہو رشکِ سحر اس کی ضیا سے مرا مرقد

نہ سہی اس کے ثنا خوانوں میں شامل نہ سہی　　کی تو ہے اپنی سہی خالد نے مگر سعی شمول

میرا خیال ہے کہ یہ آخری شعر خالد صاحب کے انکسار پر مبنی ہے، ورنہ وہ یقیناً حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ثنا خوانوں میں نہ صرف شامل ہیں، بلکہ ان کو اس سلسلے میں جو مقام و مرتبت حاصل ہے، وہ ایک طرف انتہائی قابلِ رشک ہے۔ انہوں نے اردو نعتیہ شاعری میں جو قابلِ قدر اضافہ کیا ہے، اس کی بدولت ان کا نام ہمیشہ احترام اور رشک ہی سے لیا جائے گا: ؎

ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ او

طاب طاب کی پہلی نعت اس شعر سے شروع ہوتی ہے :

بزمِ امکاں میں اللہ اکبر !　　تجھ سا انساں نہ تجھ سا پیمبرؐ !

مجھے اس نعت میں سے جو اشعار خاص طور پہ پسند آئے، وہ مطلع کے علاوہ یہ ہیں : ؎

اُمّ معبد ہی تنہا نہیں ہے　　محوِ رعنائیِ روئے انور

تجھ سے تاروں کے ہمراہ مانگے　　نور کی بھیک ماہِ منوّر

تو اُمامِ بنی نوعِ انساں　　تو زمین و زمانہ کا محور

تنگ دستی میں تو نے بسر کی　　گرچہ ہر شے تھی تجھ کو میسّر

اس مجموعے کی دوسری نعت اس شعر سے شروع ہوتی ہے : ؎

ہے بیاں تیرے وصف میں حیراں　　قصۂ شوق کا کہاں پایاں

اس نعت میں میرے پسندیدہ اشعار یہ ہیں : ؎

حکمرانی ہے وقت پر تیری　　زیرِ فرماں ترے زمان و مکاں

سروِ موزوں کو تجھ سے کیا نسبت — یہ رچلا، یہ کرشمہ اس میں کہاں
تجھ سے پہلے کہاں تھی دنیا میں — محترم اتنی ہستیِ انساں
کس نے کی تجھ سے پہلے دنیا میں — یوں ہوا خواہیِ فسردہ دِلاں

اس مجموعے کی تیسری نعت میں سے منتخب اشعار یہ ہیں : ؎

ترا وجود کتابِ مکارمِ اخلاق — ہر اک سبق کا سمجھتا ہے تو سیاق و سباق
ہر اک نوشتۂ تقدیر کو پڑھا تُو نے — پلٹ کے مصحفِ لیل و نہار کے اوراق
مبارک و متبرک کلام ہے تیرا — زمانہ جس کا تھا صدیوں سے طالب و مشتاق
پرے ہے سرحدِ ادراک سے مقام ترا — تری سواری کو عرشِ بریں سے آئے براق
نگاہِ گرم میں ہر ایک درد کا درماں — کلامِ نرم میں ہر ایک زہر کا تریاق

"طاب طاب" کی دیگر نعتوں سے جو اشعار اپنی لفظی یا معنوی خوبیوں کے باعث میری نظر میں منتخب یا پسندیدہ ہیں، وہ بلا تبصرہ درج ذیل ہیں : ؎

محرمِ تقدیرِ یزداں کون ہے تیرے سوا — ہم دمِ تدبیرِ انساں کون ہے تیرے سوا
میرِ موجودات و سلطانِ حیات و کائنات — اے سر پیرائے دوراں کون ہے تیرے سوا
کس میں طاقت ہے کہ روکے جو فسادِ بحر و بر — امنِ عالم کا نگہباں کون ہے تیرے سوا
آرزومندی، پُرامیدی، اولوالعزمی کے ساتھ — جو کرے مشکل کو آساں، کون ہے تیرے سوا
جاہلیت کی، جہالت کی شبِ تاریک میں — علم کی شمع فروزاں کون ہے تیرے سوا
ہر کوئی تجھ کو پکارے محسنِ انسانیت — ہر کوئی جس کا ثنا خواں، کون ہے تیرے سوا
کس پیمبرؐ کا لقب ہے رحمۃٌ للعالمین — "النبیؐ" از روئے قرآں کون ہے تیرے سوا
کس کا نصب العین ہے کاملِ اخوت کا قیام — بہرِ مظلوماں پریشاں کون ہے تیرے سوا
جس نے انساں کو پڑھایا خود شناسی کا سبق — اے خرد افروزِ انساں کون ہے تیرے سوا
دستگیرِ خستہ حالاں تُو نہیں تو کون ہے — فکر مندِ دردمنداں کون ہے تیرے سوا

لوحِ محفوظ میں طغرے کی طرح نام ترا — نامِ دلدار و دلآویز و دلآرام ترا
رحمت و رحم و رجا سارے جہانوں کے لئے — تا ابد زندہ و پائندہ ہے پیغام ترا
ہے ترا روئے سخن کل بنی آدمؑ کی طرف — تیرا فیضان ہمہ گیر، کرم عام ترا
کفر دیتا ہے گواہی تری سچائی کی — کلمہ پڑھتے ہیں بُت خانوں میں اصنام ترا
تیرا قرآں زمانے کا نصابِ فردا — دینِ مستقبلِ انسان ہے اسلام ترا

کون کر سکتا ہے تیری قدر و قیمت کا حساب
خاکِ پا بھی ہے تری کحلِ جواہر سے گراں

آدمی کی عظمتِ دیرینہ کی تو نے بحال
بخش کر صدیوں کے مادر زاد گونگوں کو زباں

لوٹ آئی رونقِ معمورۂ خواب و خیال
تیرے دم سے بس گئیں کتنی ہی تازہ بستیاں

تیرا مسلک اُلفت و اُنس و رواداری کا ہے
ہے ترے دستِ کرم میں پرچم امن و اماں

ہر ستائش سے تو بالا و بلند و بے نیاز
پھر بھی ہے میرا دلِ مشتاق تیرا مدح خواں

دیں اپنے پرائے تری عظمت کی شہادت
اترائے تری ذات پہ خود شانِ رسالت

افلاک سے روح القدسؑ اترا نہ ترے بعد
تکمیلِ نبوت کا تھی نقطہ تری رحلت

کیا بیاں اس کا کرے مجھ سا حقیر
وہ شہنشاہِ دو عالم، میں فقیر

خاک دانِ تیرہ و تاریک میں
نور کے خالق کا نورانی سفیر

کوئی اس کا ہم سر و ہمت نہیں
ہے گواہ اس بات کا گردونِ پیر

کالی کملی کا کرے بادل طواف
لے بلائیں چہرے کی بدرِ منیر

خود رہے بھوکا کھلائے غیر کو
کون اس سا سیر چشم، اس سا امیر؟

اس کے دربانوں کے اوجِ بخت پر
رشک کھائیں میر و سلطان و وزیر

اس کے بردوں کی قدم بوسی کریں
کیقباد و ارسلان و اردشیر

اس کے خدامِ ادب کے سامنے
آ کے ہکلانے لگیں منکر، نکیر!

عابد نظامی

عبدالعزیز خالد کی نعت گوئی

نعت گوئی کا آغاز حضور رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک عہد میں ہوا۔ حضرت حسانؓ بن ثابت، حضرت عبداللہ ابن رواحہؓ اور حضرت کعب ابن زہیرؓ اس دورِ سعید کے ممتاز اور بلند پایہ نعت گو تھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک کے بعد بے شمار عربی شعراء نے نعت کے میدان میں جولانیٔ طبع دکھائی جن میں بوصیری خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ فارسی شعراء میں خاقانی، نظامی، سعدی، جامی، فیضی، عرفی اور قاآنی صحیح معنوں میں بزمِ نعت کے صدر نشیں ہیں جن کے نعتیہ اشعار سُن کر آج بھی اہلِ دل از خود رفتہ ہو جاتے ہیں۔

اردو میں مولانا کرامت علی شہیدی، محسن کاکوروی، رضوان مرادآبادی، بیدل رامپوری، شاہ نیاز بریلوی، بیان میرٹھی، کافی مرادآبادی، عزیز لکھنوی، امیر مینائی، کیف ٹونکی، مولانا حسرت موہانی، مولانا احمد رضا خاں بریلوی، مولانا حسن رضا بریلوی، علامہ اقبالؒ، مولانا ظفر علی خاں اور حافظ مظہر الدین نے نعت رسولِ مقبولؐ میں وہ شاہکار پیش کیے ہیں جن پر اردو ادب جس قدر بھی ناز کرے کم ہے۔ اس صنفِ مقدس نے اردو ادب کی روایت کو آگے بڑھانے میں جو عظیم الشان کارنامہ سرانجام دیا ہے وہ بلاشبہ غیر معمولی حیثیت کا حامل ہے۔

خود ہمارے زمانے میں بعض شعراء نے بڑی قابلِ قدر نعتیں لکھیں جو اپنے عشق و مستی اور جوشِ جذبات کے اعتبار سے وجد آفریں ہیں، لیکن عبدالعزیز خالد ہمارے عہد کے نعت گو شعراء میں اس حیثیت سے منفرد اور ممتاز ہے کہ اس نے میر و سودا کے قدیم طرزِ سخن کو اپنانے کے بجائے اپنا ایک الگ طرزِ سخن ایجاد کیا۔ اس طرح نعت گوئی کی وہ روایت جو کرامت علی شہیدی سے موجودہ عہد تک پہنچنے کے باوجود رُکی ہوئی تھی، آگے بڑھی۔ خالد کی نعتیہ شاعری کو پڑھ کر محسوس ہوتا ہے کہ وہ اُردو نعت گوئی میں ایک نئی آواز ہے۔ ایسی آواز جو نئی ہونے کے باوجود کانوں میں رس گھولتی ہے اور جس کے سننے سے دل و دماغ وجد کرنے لگتے ہیں۔ تمنا عمادی نے ٹھیک لکھا تھا کہ:

"نعت گو شعراء تو بہت ہوئے ہیں۔
اور آج بھی ہیں مگر فلسفۂ نعت کو نعت ہی کے پیرائے میں بیان کرنا ہر شخص کا کام نہیں، یہ بات میں نے عبدالعزیز خالد کی تصنیفات میں دیکھی"۔

فلسفیوں کے بارے میں عام طور پر کہا جاتا ہے کہ وہ عقل کے پیچھے لٹھ لے کر بھاگے پھرتے ہیں۔ ممکن ہے یہ بات کسی حد تک درست ہو لیکن رومیؒ و اقبالؒ کی طرح خالد بھی فلسفی ہونے کے باوجود بادیۂ عشق کی دولت انہی کی طرح اپنے قافلے میں لٹاتا ہے۔ خالد نے جو کچھ لکھا ہے بقول شخصے ڈوب کر لکھا ہے۔ "فارقلیط" جس کے بارے میں خود خالد نے وضاحت کی ہے:

نام ختمِ رسلؐ انجیل میں ہے فارقلیط
۱۵۲۰

یعنی یہ حضور رسولِ کریمؐ کا عبرانی لقب ہے۔" فارقلیط" جو بحرِ متقارب میں ایک ہزار پانچ سو بیس اشعار پر مشتمل ایک طویل نظم ہے، اردو

نعت گوئی میں ایک اچھوتا اور کامیاب تجربہ ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سراپا بیان کرتے ہوئے خالد نے بڑے پُر تاثیر اشعار کہے ہیں۔ چند اشعار آپ بھی سنیئے ؎

نگینے جڑے ہیں کہ ہیں دانت اس کے — انہیں دودھ مل مل کے دھویا گیا ہے
چمکتی ہے بجلی سی ابرِ سیہ میں — ترا چہرہ زلفوں میں لو دے رہا ہے
سپیدی ہے چہرے کی مائل بہ سرخی — بدن لعل و مرمر میں گویا ڈھلا ہے
قیامت ہے قامت کا شاداب مصرع — چنبیلی کے بوٹے پہ لالہ کھلا ہے
کبھی مشک و عود اس طرح کا نہ سونگھا — پسینہ ہے تیرا کہ عطرِ حنا ہے
نہیں نرم تر تیرے ہاتھوں سے ریشم — انسؔ کہہ رہا ہے جو لمس آشنا ہے

اور خالد کے عشقِ رسولؐ کا یہ عالم ہے ؎

میں ہوتا تو وہ پاؤں دھو دھو کے پیتا — وہ مشروب رحمت ہے آبِ بقا ہے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اصل کارنامہ ان کی تعلیمات اور ان کے اخلاقِ حسنہ ہیں۔ جو ہر زمانے میں مسلمانوں کے لئے بہترین نمونہ ہیں۔ خالد صاحب سے یہ عظیم مقصد کیونکر اوجھل رہ سکتا تھا ان کی زبردست خواہش ہے کہ ؎

کوئی میرے سانولے سا بن کر دکھائے — فقط روپ دیکھا پہ کیا ایڈتا ہے

وہ حضورؐ کی صفاتِ عالیہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں ؎

تو فقر و قناعت کا روشن منارہ — محمدؐ ہے، احمدؐ ہے تو مصطفیٰؐ ہے
تو دل جوئی و غم گساری کا پیکر — تو خیر البشرؐ، اشرف الانبیا ہے
تیری زندگی انکسار و تواضع — تو ایثار و شفقت ہے مہر و وفا ہے
طبیعت میں دلسوزی و دل نوازی — تو دلگیر کے دردِ دل کی دوا ہے
تو کرتا ہے تکریم و توقیرِ مہماں — تو بے برگ و نادار کا آسرا ہے
منزّہ ہے تو داغِ آلودگی سے — تو تصویرِ اخلاص و صدق و صفا ہے
مزمّل، مدثّر ہیں القاب تیرے — تو یٰسین و طٰہٰ میں طلعت نما ہے
تو بیت الغزل ہے خدائی غزل کا — تو مضمونِ کونین کا مدّعا ہے
مرے دل میں روح القدس نے یہ پھونکا — کہ تو منبعِ مجد و عزّ و علا ہے

تعلیماتِ نبوی سے متعلق جستہ جستہ شعر ملاحظہ فرمایئے :

نبیؐ متکلّم کا ہر قول محکم — پیامِ سکوں ہے، نویدِ شفا ہے
کہا، ابتدا الناس افشوا السلام — کہ امن و اماں ہی میں سب کا بھلا ہے
سب انسان آدم سے، مٹی سے آدم — تفوّق کا معیار خوفِ خدا ہے
شعوب و قبائل ہیں بہرِ تعارف — مساوات، فوز و فلاح و بقا ہے

تراشو نہ بُت رنگ و نسل و وطن کے — فضیلت کا معیار صرف اتقا ہے
دل و ذہن کو دانش و فہم بخشے — چراغِ ہدایت کتابِ خدا ہے

خالد نے "فارقلیط" میں حیاتِ طیبہ کے کسی پہلو کو بھی تشنۂ بیان نہیں چھوڑا۔ ان کے ایک ایک شعر سے عشقِ رسولِ مقبولؐ کی خوشبو اور مہک آتی ہے اور پڑھنے والے کی زبان پر درود و سلام جاری ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضورِ سرورِ کائناتؐ کے ذریعے سے قیامت تک کے لئے جو مکمل ضابطۂ حیات نبی نوعِ انسان کو عطا فرمایا ہے۔ وہ قرآنِ حکیم اور سُنّتِ رسولِ مقبولؐ لازم و ملزوم ہیں۔ یہ کیسے ممکن تھا کہ خالد تعلیماتِ نبوی کا تذکرہ کرتا اور قرآنِ حکیم کا ذکر رہ جاتا! مندرجہ ذیل اشعار قرآنِ حکیم کے بارے میں ان کی محبت و شیفتگی کے آئینہ دار ہیں ؎

اترتے ہیں جس طرح بارش کے قطرے — اسی طرح قرآن نازل ہوا ہے
حدیث و قصص کا خزانہ ہے قرآن — درِ فضل و احساس شب و روز وا ہے
کلام الملوکِ، ملوک الکلام — دل اقرار کرتا ہے وحیٔ خدا ہے
بیاں سے فزوں ہے، حلاوت، طراوت — کسے تابِ تحدیثِ حسن و بہا ہے
رسولانِ پیشیں کے سارے صحیفے — کلامِ مبیں مسترد کر چکا ہے
سفارت ملی جس کی روح القدس کو — یہ وہ بے بہا ارمغانِ خدا ہے

خالد نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کا ذکر جس حسن و خوبی اور عمدگی سے کیا ہے اردو شاعری میں اس کی مثال عنقا ہے، صرف دو چار اشعار ؎

یہ چہرہ مبارک ہے دیدار کر لو — جدائی کا لمحہ قریب آ گیا ہے
اجازت طلب ہے فرشتہ اجل کا — اسے ہمرکابی کو بھیجا گیا ہے
چلا سوئے فردوس رفرف پہ چڑھ کر — لبِ "ایل علیون" پہ مرحبا ہے

اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے اس نوحے کو پڑھ کر کون عاشقِ رسولؐ ہے جو اپنے آنسو ضبط کر سکے گا اور ماہیٔ بے آب کی طرح نہ تڑپے گا۔ صحابہ کرامؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تدفین سے فارغ ہو کر واپس آتے ہیں۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا حجرے میں دروازے کے پیچھے کھڑی ہیں۔ ؎

سنی ایک آہٹ جو حجرے کے باہر — تو پوچھا کہ یہ کون دل سوختہ ہے
"حضور آپ کے پیارے ابّا کا خادم — انسؓ اپنی قسمت کو جو رو رہا ہے"
سُنا یہ تو بنتِ محمدؐ نے پوچھا — زمانہ تو مانوسِ جور و جفا ہے
تمہارے دلوں نے مگر کیسے مانا — کہ وہ جسم جو شاہکارِ خدا ہے
تم اس جسمِ پُرنور پر خاک ڈالو — یہ ہاتھوں نے کیسے گوارا کیا ہے؟

خالد نعت گوئی کی تمام مشکلات سے واقف ہیں۔ نعتِ رسولؐ کی بنیادی شرط یہ ہے کہ شاعر جوشِ عقیدت اور والہانہ محبت کے باوجود حقیقت و واقعیت کی حدوں میں رہے۔ عُرفی نے خوب کہا ہے ؎

عُرفی مشتاب ایں رہ نعت است نہ صحراست — آہستہ کہ رہ بردمِ تیغ است قدم را
ہشدار کہ نتواں بہ یک آہنگ سرودن — نعتِ شہِ کونین و مدیحِ کے و جم را